آدھی آبادی کے جذبات واحساسات کا ترجمان

ماھنامہ

خواتین دنیا

Mahnama Khawateen Duniya Monthly , New Delhi

www.urducouncil.nic.in

قیمت: -/15 ₹

اگست 2024

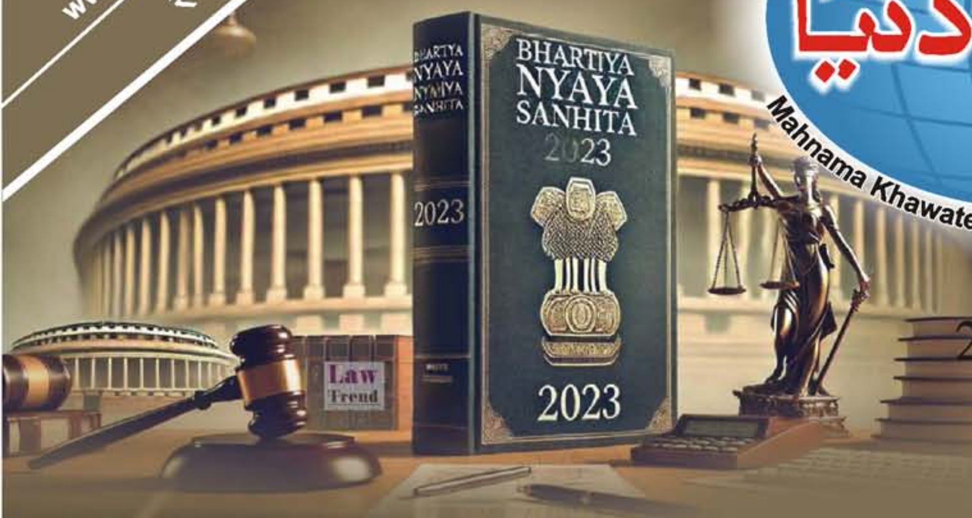

बेटी बचाओ
बेटी पढ़ाओ

प्रधानमंत्री मातृ वंदना योजना
मातृ शक्ति, राष्ट्र शक्ति

नए समाज की ओर

ادب اطفال کی دنیا میں اہم ترین سنگ میل

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ
بچوں کی دنیا
دہلی
Monthly BACCHON KI DUNIYA, New Delhi

پیاری پیاری نظمیں
دلچسپ کہانیاں
سائنس و ٹیکنالوجی

معلوماتی مضامین
صحتِ اطفال
بچّوں کا کتب خانہ

ان کے علاوہ:

کہکشاں ◆ زبان شناسی

میرا بچپن ◆ بچوں کے بڑے ادیب

بچوں کی پینٹنگ ◆ ڈاک خانہ جیسے مستقل کالم

اور بہت کچھ

سب سے زیادہ چھپنے والا بچّوں کا اردو رسالہ

قیمت فی شمارہ: 15 روپے سالانہ: 145 روپے

سالانہ خریداری اور ایجنسی کے لیے رابطہ فرمائیں

زرِتعاون سالانہ 145 روپے بنام NCPUL اکاؤنٹ نمبر: A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کریں۔

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail: magazines@ncpul.in

شاخ: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002 فون: 24415194 - 040

اس شمارے میں

اداریہ

مشعل | مدیر | 4

انٹرویو

معروف موسیقارہ اوشا کھنہ سے گفتگو | صدر عالم گوہر | 5

نکہت سخن

شاعرات کے منتخب اشعار | 11

خواتین: تعلیم، سیاست، معاشرت اور معیشت

بھارتیہ نیائے سنہتا میں خواتین سے متعلق جرائم | خواجہ عبدالمنتقم | 12

ہندوستانی خواتین کی تعمیر و ترقی میں سرکاری اقدامات | ڈاکٹر صالحہ صدیقی | 15

ہندوستانی خواتین: سماجی، اقتصادی اور سیاسی تبدیلیاں | ڈاکٹر مسرت | 22

خواتین کی تعلیم: نئی تعلیمی پالیسی کے پس منظر میں | رانی حفیظ | 26

خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے حکومت ہند کے منصوبے | ناہیدہ شفیع | 28

جہان نسواں

سہیل کاکوروی۔ شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق | ڈاکٹر پروین شجاعت | 30

ہمہ جہت شخصیت پروفیسر قمر رئیس | راشدہ خاتون | 34

حسین الحق ''ناگہانی'' کے آئینے میں | درخشاں خورشید | 39

اردو میڈیم طلبا کو ترجمہ نگاری میں درپیش مسائل | ممتاز بانو | 42

مرزا محمد رفیع سودا کی مرثیہ نگاری کی خصوصیات | غزالہ شیریں | 46

حسن سخن

فوزیہ اختر ازکیٰ، رقیہ خاتون، سنجیدہ بانو | 50

افسانہ

راہ حیات | فرخندہ ضمیر | 52

انتظار کے لمحے | ریشما قمر | 57

صحت

جامون کی اہمیت و افادیت | ڈاکٹر احسان رؤف | 59

قارئین کے خطوط

مراسلہ | 61

خواتین خبرنامہ | 62

اردھی آبادی کے جذبات واحساسات کا ترجمان

ماہنامہ خواتین دنیا

Mahnama Khawateen Duniya Monthly, New Delhi

جلد: 8 شمارہ: 8 اگست 2024

مدیر اعلیٰ : ڈاکٹر شمس اقبال

مدیر منتظم : ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

معاون مدیر : ڈاکٹر مسرت

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت تعلیم، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی-88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا

فیز-II، نئی دہلی-110020

مقام اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت -/15 روپے، سالانہ -/145 روپے

صفحات: Total Pages 64

■ قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل (NCPUL) اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

● ڈرافٹ NCPUL, New Delhi کے نام ارسال کریں

صدر دفتر

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا

جسولہ، نئی دہلی-110025، فون: 49539000

نگارشات ارسال کرنے کے لیے

ای میل: kduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

شعبۂ فروخت

ویسٹ بلاک-8، ونگ-7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 26109746، فیکس: 26108159

ای میل: sales@ncpul.in

شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، چھرگٹی، حیدرآباد-500002

فون: 040 - 24415194

مشعل

خواتین کا اپنی زندگی کے فیصلے خود لینے کا اختیار خودمختاریت کہلاتا ہے۔ یہ معاشرتی سیاسی، اقتصادی، تعلیمی اور سیاسی میدانوں میں مساوی حقوق اور مواقع فراہم کرتا ہے۔ موجودہ حکومت نے خواتین کے لیے بہت سی اہم اسکیمات کی شروعات کی ہے جو خواتین کی ترقی میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ، وگیان جیوتی، اوورسیز فیلوشپ اسکیم، کستور با گاندھی بالیکا ودیالیہ، پردھان منتری اتکرش یوجنا، مڈڈے میل اسکیم، اسکل انڈیا اور اسٹارٹ اپ انڈیا، ڈجیٹل انڈیا، ریڈینس اور اڈاپٹ اے اسکول اسکیم، پردھان منتری ماترتو وندنا یوجنا، پردھان منتری سکنیا سمردھی یوجنا، میک انڈیا پروجیکٹس، سیف سٹی پروجیکٹس، قانونی اصلاحات، مشن اندرادھنش، تین طلاق کا خاتمہ، مسلم خواتین کے لیے خصوصی فلاحی اسکیمیں، قانونی معاونت اور آگاہی پروگرامز، خواتین کی حفاظت کے اقدامات، نربھیا فنڈ، ون اسٹاپ سینٹرز، اسکل ڈیولپمنٹ پروگرامز، نیشنل ہیلتھ مشن، قانون برائے خواتین کے خلاف تشدد، گھریلو تشدد اور وراثتی حقوق کے تحفظ کے لیے قوانین یہ خواتین کی صورتحال میں تبدیلی کے مواقع فراہم کرتے ہیں اور ان کے حالات کو بہتر بناتے ہیں۔

خواتین کی بااختیاری اور صنفی مساوات معاشرے کی مجموعی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ یہ خواتین کو معاشی، تعلیمی اور سماجی طور پر ایک فعال رکن کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

آج خواتین کی صورتحال قدرے تبدیل ہو چکی ہے۔ اب خواتین کی رائے اور ان کی سوچ کا احترام کیا جا رہا ہے۔ موجودہ حکومت نے بھی خواتین کو قانونی، معاشی اور اقتصادی حقوق فراہم کیے ہیں۔ وزیر اعظم نے حال ہی میں خواتین کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''خواتین کی ترقی سے قوم کو طاقت ملتی ہے اور اس سے پورے ملک کی ترقی ہوتی ہے۔ خواتین کی خوشحالی دنیا کی خوشحالی ہے۔ خواتین کی تعلیم، اقتصادی ترقی اور قیادت دنیا کی ترقی کے لیے اہم ہیں۔ ہندوستان میں خواتین کی ایک بڑی تعداد مقامی انتظامیہ میں منتخب نمائندے کے طور پر کام کر رہی ہے۔ ہندوستانی ثقافت میں انھیں دیوی کی حیثیت سے عزت دی جاتی ہے اور ان کے کردار کو معیشتی، سماجی اور روحانی ترقی میں اہم سمجھا جاتا ہے۔''

حکومت کے اقدامات اور اسکیموں کی ستائش کی جانی چاہیے اور خواتین کو مثبت سوچ کے ساتھ ان اسکیمات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ معاشی خودانحصاری خواتین میں خوداعتمادی پیدا کرتی ہے۔ ہمارے ملک کی خواتین کو بھی آگے بڑھ کر حکومت کے مہیلا سشکتی کرن کے اس مشن کو آگے بڑھانے میں بھرپور تعاون دینا چاہیے۔

آپ کا

منتصر اقبال

معروف موسیقارہ اوشا کھنہ سے گفتگو

صدر عالم گوہر

خواتین زندگی کے ہر شعبے میں پیش پیش رہتی ہیں ۔خواہ وہ جدو جہد آزادی ہو، اسپورٹس ہو، خلا بازی ہو، سائنس وٹیکنالوجی ہو، ادب ہو، ثقافت ہو، شاعری ہو، سیاست ہو، مہم جوئی ہو یا پھر فلم ہو۔ فلم میں تو خواتین کا وہ عالم تھا کہ ہندوستان کی پہلی فلم ہریش چند تارامتی کی ہیروئن کے لیے باوجود تلاش بسیار جب دادا صاحب پھالکے کو ہریش چندر کی بیوی تارامتی کے لیے کوئی خاتون دستیاب نہ ہوئی تو مجبوراً ایک مرد کو ہی خواتین کی پوشاک اور زیور سے آراستہ کر کے فلم میں خاتون کے روپ میں پیش کیا گیا۔ خاتون فلم کی مجبوری تھی ۔ کیونکہ کوئی بھی فلم بغیر ہیرو ہیروئن کے مکمل نہیں ہوتی۔ فلم کی کہانی خواہ کیسی بھی ہو مگر فلم میں خواتین کا کردار ضرور ہوتا ہے۔ جس کے لیے خاتون کا فلم میں ہونا جزو لاینفک ہے۔ ابتدا میں مشرق میں خواتین کو پردے میں رہنا ضروری تھا اور مرد عورت کو پردے کی چیز سمجھتے تھے۔ اسی لیے خواتین کے لیے مستورات لفظ کا استعمال وجود میں آیا لیکن بعد میں خواتین نے اپنی اہلیت وقابلیت سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ صرف صنف نازک ہی نہیں ہیں۔ اگر ضرورت پڑے تو جھانسی کی رانی بن کر جنگ کے میدان میں بھی نظر آسکتی ہیں اور اس طرح آہستہ آہستہ خواتین کا میدان وسعت پاتا گیا۔ خواتین زندگی کے ہر شعبے میں بال و پَر نکالنے لگیں۔

فلم کے شعبے میں خواتین کا اہم کردار ہوتے ہوئے بھی فلم کے چند شعبے خواتین سے خالی ہی رہے۔ جیسے ہدایت کا شعبہ اور موسیقی کا شعبہ۔ اگر اس شعبے میں خواتین نے قدم رکھا تو وہ دال میں نمک کے برابر۔ خاتون ہدایت کار کا نام آپ انگلی پر گن سکتے ہیں۔ اسی طرح موسیقی کا شعبہ بھی خاتون سے خالی ہی سمجھئے۔ فلمی دنیا کی تاریخ میں کم وبیش 86 سالوں میں 5 خواتین موسیقارہ بھی آپ کو نظر نہیں ائیں گی۔ کیونکہ ہندوستانی فلمی موسیقی پر اگر ہم نظر ڈالتے ہیں تو پہلا نام جو نظر آتا ہے وہ سرسوتی دیوی کا اور پھر اداکارہ نرگس کی ماں جدن بائی کا۔ لیکن وہ دونوں تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئی ہیں۔

موسیقی کے شعبے میں ایک نام ایک ستارے کی طرح نمایاں نظر آتا ہے اور وہ ہے موسیقارہ اوشا کھنہ کا۔ موسیقارہ اوشا کھنہ نے موسیقی کے شعبے میں جانے کے لیے قدم نہیں رکھا۔ بلکہ میل کے پتھر کی طرح اپنے آپ کو ثابت کیا۔ موسیقارہ اوشا کھنہ جب موسیقارہ بنی تو لوگوں کو یقین ہی نہیں ہوا کہ کوئی خاتون بھی میوزک کمپوز کر سکتی ہے یا میوزک کمپوزر ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر ابتدا میں یہ الزام لگتا رہا کہ وہ صرف نام کی موسیقارہ ہیں۔ فلم کی موسیقی کوئی اور تیار کرتا ہے اور فلم میں اوشا کھنہ کا نام موسیقار کی طور پر دے دیا جاتا ہے۔ بہت دنوں تک یہی چلتا رہا کہ نغموں کی دھنیں کوئی دوسرا موسیقار بنا کر اوشا کھنہ کو دیتا ہے لیکن نہ صرف عوام بلکہ فلم انڈسٹری کے ہدایت کار، فلم ساز اور موسیقار بھی یہی سمجھتے تھے کہ اوشا کھنہ موسیقارہ نہیں ہیں کوئی اور ہے۔ اس وجہ سے سوچنے والے سوچتے تھے کرائے کا ٹٹو کب تک چلے گا۔ ایک نہ ایک دن جب پس پردہ جو موسیقار ہے اس سے ان بن ہو گی تو راز کھل جائے گا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اوشا کھنہ خود فلموں کے نغموں کی دھنیں بناتی تھی جس کی وجہ سے وہ بغیر رکے مسلسل موسیقی دیتی رہی اور پھر لوگوں کو بھی پتہ چل گیا کہ اوشا کھنہ ہی اپنی فلموں کی موسیقی کمپوز کرتی ہیں اور حقیقت میں وہ ایک موسیقارہ ہیں۔ وہ اب بھی میدان موسیقی میں رواں دواں ہیں۔

اوشا کھنہ کی موسیقی میں ایک خاص قسم کی مٹھاس ہے۔ جو کانوں کو بڑی بھلی لگتی ہے۔ دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ انھوں نے قومی نغمے جو سروں میں پروئے وہ بھی بڑے پرکشش ہیں۔ مثال کے طور پر 1960 میں آئی فلم ''ہم ہندوستانی'' کا حب الوطنی میں ڈوبا ہوا یہ نغمہ۔ ''چھوڑو کل کی باتیں، کل کی بات پرانی، نئے سرے سے لکھیں گے ہم مل کر نئی کہانی، ہم ہندوستانی''۔ اس نغمے کو اپنی آواز دی ہے گلوکار مکیش نے۔ چونکہ مکیش اونچے پچ پر نہیں گاتے تھے اس لیے اوشا کھنہ نے ان کے لیے درمیانی اسکیل کا نغمہ کمپوز کیا۔ جس کو مکیش نے بڑے پیارے انداز میں گایا اور نغمہ بہت مقبول ہوا۔ یا پھر محمد رفیع صاحب کی آواز میں فلم شبنم کا یہ نغمہ۔ ''میں نے رکھا ہے محبت اپنے افسانے کا نام، تم بھی کچھ اچھا سا رکھ لو اپنے دیوانے کا نام'' اور فلم آپ تو ایسے نہ تھے کا نغمہ۔ تو اس طرح سے میری زندگی میں شامل ہے، جہاں بھی جاؤں یہ لگتا ہے تیری محفل ہے۔ وغیرہ۔ کشور کی آواز میں فلم سوتن کا یہ نغمہ۔ زندگی پیار کا گیت ہے جس کو ہر دل کو گانا پڑے گا۔ اسی طرح کے بہت سارے نغمے ہیں۔

میں نے ان کے کھار میں واقع فلیٹ میں ان سے گفتگو کی جس سے کئی باتوں سے پردہ اٹھا جو عوام کے سامنے نہیں ائی تھی۔ پیش ہے ان سے کی گئی طویل گفتگو کے چند حصے۔

صدر عالم گوہر۔ مجھے یہ بات معلوم تھی کہ موسیقارہ اوشا کھنہ کے والد ایک نغمہ نگار تھے۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ مسلم نہیں ہیں۔ کیوں کہ اوشا کھنہ نے اپنے والد کا سر نیم اپنے نام کے ساتھ جوڑا ہے۔ حالانکہ ان کی شادی ساون کمار ٹاک سے ہوئی تھی۔ لیکن شادی کے بعد بھی انھوں نے اپنے شوہر کا سر نیم ٹاک نہیں لگایا۔ اپنے والد کا سر نیم ہی لگائے رکھا۔ حالانکہ ساون کمار سے ان کی شادی بہت زیادہ لمبی نہیں چلی۔

میرے سامنے ایک چونکا دینے والی بات آئی وہ یہ کہ مسلم فنکار اپنا نام فلموں میں آنے کے لیے ہندوؤں والے نام رکھتے تھے۔ جس کی مثال ہمارے سامنے محمد یوسف فلموں میں دلیپ کمار بن کر آئے۔ محمد حامد فلموں میں اجیت نام کے ساتھ فلموں میں اداکار بنے۔ لیکن یہاں تو معاملہ بالکل الٹا تھا۔ ایک ہندو اپنا نام بدل کر مسلمانوں جیسا نام رکھ رہا تھا۔ حالانکہ یہ جوڑی زیادہ چلی نہیں۔ اوشا کھنہ کی موسیقی میں چند نغمے اس جوڑی کے ہیں۔ جس میں ایک مشہور نغمہ ہے۔ ''میں نے رکھا ہے محبت اپنے افسانے کا نام''۔

دوسری چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ موسیقاروں کی جوڑی تو بہت سنی ہے۔ اور یہ سلسلہ زمانہ قدیم سے چلتا آ رہا ہے۔ لیکن نغمہ نگاروں کی جوڑی لوگوں نے نہیں سنی ہوگی۔ پہلی بار جب میں نے بھی سنی تو چونکا تھا۔ انہیں سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر میں نے اوشا کھنہ سے ایک سوال کیا۔ آپ نے فلم لائن کو ہی اپنا کیریئر کیوں چنا؟

اوشا کھنہ۔ میں پڑھنے لکھنے میں زیادہ اچھی نہیں تھی۔ گانا بجانا مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ میرے والد فلم لائن سے جڑے تھے۔ وہ ایک نغمہ نگار تھے۔ انھوں نے انور نام کے ایک شاعر کے ساتھ مل کر نغمہ نگار کی جوڑی بنائی تھی۔ جس جوڑی کا نام گیت کار جاوید انور تھا۔ جس میں جاوید میرے والد کا نام تھا۔ فلموں میں وہ جاوید کے نام سے لکھتے تھے مگر ان کا اصلی نام منوہر کھنہ تھا۔ میں نے اپنے والد کے سر نیم کھنہ کو ہی اپنا سر نیم بنایا ہے۔

صدر عالم گوہر۔ آپ کے موسیقارہ بننے کا سفر کیسے شروع ہوا؟

اوشا کھنہ۔ میرے موسیقار بننے کی بات جہاں تک ہے تو اصل قصہ یہ ہے کہ میں گلوکارہ بننا چاہتی تھی اور اس کے لیے میں نے کوشش بھی کی۔ میں نے اپنے طور پر کچھ نغمے کمپوز کیے اور مشہور و معروف پروڈیوسر ایس مکر جی کے پاس لے گئی۔ ایس مکر جی کو اپنے نغمے سنا کر میں نے کہا کہ میں گلوکارہ بننا چاہتی ہوں۔ میرے نغمے سننے کے بعد ایس مکر جی نے مجھ

سے پوچھا، ”تم لتا منگیشکر سے اچھا گا سکتی ہو؟ تو میں نے کہا، ”نہیں“۔ چونکہ میں گلوکارہ بننے کے لیے کچھ نغمے تیار کر کے لے گئی تھی اور انھوں نے میرا ایک نغمہ سنا تھا اس لیے انھوں نے مجھ سے پوچھا، ”ابھی جو گیت تم نے سنایا ہے اس کو کس نے کمپوز کیا ہے“۔ میں نے کہا، "یہ میری اپنی کمپوزیشن ہے"۔ تو مکرجی صاحب نے کہا اتنا اچھا کمپوز کر لیتی ہو تو میوزک ڈائریکٹر کیوں نہیں بن جاتی اور اس طرح انھوں نے مجھے اپنی اگلی فلم کے لیے میوزک ڈائریکٹر کے طور پر منتخب کر لیا اور میں گلوکارہ بنتے بنتے موسیقارہ بن گئی۔ انھوں نے مجھے اپنی فلم ”دل دے کے دیکھو“ کے لیے بطور میوزک ڈائریکٹر سائن کر لیا۔

صدر عالم گوہر۔ کیا آپ کو فلموں میں کام پانے کے لیے جدوجہد کا سامنا کرنا پڑا جیسا کہ اکثر فلم میں آنے والوں کو کرنا پڑتا ہے؟

اوشا کھنہ۔ نہیں مجھے جدوجہد نہیں کرنی پڑی۔ چونکہ میں بمبئی میں ہی پلی بڑھی۔ میرے ابو یہیں تھے اور فلم لائن میں تھے۔ اس لیے مجھے دوسرے اسٹگلر وں کی طرح ان پریشانیوں سے نہیں گزرنا پڑا جس طرح بمبئی میں آنے والوں کو گزرنا پڑتا ہے۔

صدر عالم گوہر۔ آپ کو کامیابی کس فلم سے ملی؟

اوشا کھنہ۔ میری پہلی فلم ہی کافی کامیاب رہی۔ نام تو میرا پہلی ہی فلم "دل دے کے دیکھو" سے ہو گیا تھا۔ اس کے نغمے کافی مقبول ہوئے تھے۔ اس فلم سے ہی میرا نام میوزک ڈائریکٹر کے طور پر مشہور ہو گیا تھا۔ لیکن اپنی پہچان بنانے میں وقت لگا۔ لوگ یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھے کہ میں نے ان نغموں کو کمپوز کیا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں کسی اور سے اپنے نغمے کمپوز کرواتی ہوں۔ کیوں کہ اس وقت میری عمر سترہ سال تھی۔ اس کی وجہ سے لوگ یقین کر ہی نہیں کر رہے تھے میرے نغمے میرے کمپوز کیے ہوئے ہیں۔ جب میری کئی فلمیں ریلیز ہوئیں تو لوگوں کو یقین ہوا کہ یہ نغمے میرے ہی کمپوز کیے ہوئے ہیں اور میں صحیح میں ایک میوزک کمپوزر ہوں، موسیقارہ ہوں۔

صدر عالم گوہر۔ آپ نے کن شاعروں کے ساتھ کام کیا؟

اوشا کھنہ ۔ میں نے تقریباً تمام شاعروں کے ساتھ کام کیا ہے۔ ساحر صاحب، مجروح صاحب وغیرہ جتنے شاعر ہیں سب کے ساتھ کام کیا ہے۔

صدر عالم گوہر۔ آپ نے شکیل بدایونی صاحب کے ساتھ بھی کام کیا ہے؟

اوشا کھنہ۔ نہیں میں نے صرف انھیں کے ساتھ کام نہیں کیا۔

صدر عالم گوہر۔ آپ اپنی فلمی کیریئر کا بہترین نغمہ کسے مانتی ہیں؟

اوشا کھنہ ۔ ویسے تو سارے نغمے جو میں نے بنائے ہیں۔ وہ میرے اچھے نغمے ہیں۔ کیونکہ جب مجھے اچھے لگے تب ہی تو میں نے ان نغموں کو ریکارڈ کیا۔

صدر عالم گوہر۔ پھر بھی آپ کی اچھی کمپوزیشن؟

اوشا کھنہ۔

(1) ہم اور تم اور یہ سماں۔ فلم دل دیکے دیکھو

(2) میں نے رکھا ہے محبت اپنے افسانے کا نام۔ فلم شبنم

صدر عالم گوہر۔ لوگوں کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فلمی لائن میں آنے کے لیے بہت سے اتار چڑھاؤ سے گزرنا پڑتا ہے کیا آپ کے ساتھ بھی ایسا ہوا؟

اوشا کھنہ۔ میری زندگی میں اتار چڑھاؤ آیا ہو ایسا نہیں ہوا، جس طرح عام لوگوں کی زندگی میں آتا ہے۔ میری زندگی میں ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ایک روٹین لائف چلتی رہی ہمیشہ۔ اس کے لیے میرے پاس کہانیاں نہیں ہیں۔ زیادہ کچھ کہنے کو نہیں ہے۔

صدر عالم گوہر۔ ریکارڈنگ کا کوئی ایسا واقعہ جو یادگار ہو؟

اوشا کھنہ۔ ہاں ایک بار کا بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔ پہلے لائیو ریکارڈنگ ہوتی تھی۔ آج کی طرح ٹریک پر ریکارڈنگ نہیں ہوتی تھی۔ فیمس سٹوڈیو میں میرے ایک گانے کی ریکارڈنگ تھی۔ میں نے کشور دا (کشور کمار) کو فون کیا۔ لیکن وہ کشور دا کا بہانہ بنانے کا قصہ تو مشہور ہی ہے۔ جب ان کو گانا نہیں گانا ہوتا تھا تو وہ کہتے تھے میرا گلا خراب ہے۔ آج کی ریکارڈنگ کینسل کرو، دوسرے دن دیکھتے ہیں۔ میں نے کشور دا سے وقت لے لیا تھا فیمس سٹوڈیو بک کر لیا تھا۔ سارے سازندے آگئے تھے۔ جب کشور دا کو فون کیا کہ آجائیے فیمس سٹوڈیو میں۔ تب کشور دا نے فون پر ادھر سے کہا، ”اوشا آج میرا گلا خراب ہے آج ریکارڈنگ کینسل کرو۔ میں تو بہت پریشان ہوئی کیونکہ اسٹوڈیو بک کرنے کے بعد تو اسٹوڈیو کا چارج اور سارے سازند اسٹاف وغیرہ کا چارج تو لگ ہی جاتا تھا۔ اس سے پروڈیوسر کا نقصان ہوتا ہے لیکن کیا کیا جا سکتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ پروڈیوسر کو کہہ دوں کہ آج کی ریکارڈنگ کینسل کرنا پڑے گی کیونکہ کشور دا کا گلا خراب ہے۔ میرا اسسٹنٹ بھی بولا ریکارڈنگ نہیں کرنے پر تو پروڈیوسر کا بہت نقصان ہوگا۔ اس پر میں نے کہا کہ ابھی کیا کیا جا سکتا ہے۔ مجبوراً ریکارڈنگ کینسل کرنی پڑے گی۔ ہم لوگ اسی غور و فکر میں لگے تھے کہ پروڈیوسر کو کہہ کر ریکارڈنگ کینسل کروا دیتے ہیں کہ اتنے

میں کسی نے آ کر کہا کہ کشوردا آ گئے۔ میں نے کہا،'' کس نے کہا آ گئے۔انھوں نے تو کہا تھا کہ میرا گلا خراب ہے۔آج ریکارڈنگ کینسل کرو۔ابھی تو فون کیا تھا انھوں نے''۔سازندے سب گئے نہیں تھے۔وہ باہر کھڑے سوچ رہے تھے کہ آج کا گانا کینسل ہوگیا۔

اتنے میں میرے کانوں میں کشوردا کی آواز آئی،''اوشا چلو چلو''۔ میں نے کہا،'' دادا، آپ نے کہا تھا کہ گلا خراب ہے۔تو کشوردا بولے، غلطی سے میں نے کسی اور میوزک ڈائریکٹر کا گانا سن لیا تھا۔دیکھا تو گانا اچھا نہیں تھا۔اس لیے کہہ دیا میرا گلا خراب ہے۔آج کی ریکارڈنگ کینسل کرو۔لیکن جب میں نے نام دیکھا تو تمھارا نام نہیں تھا۔تب میں نے پھر تمھارا گانا لگایا تو مجھے یہ گانا پسند آیا میں نے کہا یہ تو اچھا گانا ہے اس لیے میں چلا آیا۔میں نے جب تمھارا گانا،"زندگی پیار کا گیت ہے' سنا تو ورلی ناکا سے واپس آیا،اس لیے میں جلدی پہنچ گیا۔میں نے غلطی سے کسی دوسرے کا گانا سن لیا تھا۔اس لیے میں نے کہا تھا کہ میں نہیں آتا۔ہم لوگ اس بات پر بہت ہنسے۔کشوردا نے کہا،'' میں نے پہلے والا گانا سنا تو میں دل ہی دل میں سن کے کہا کہ اوشا تو ایسا گانا بناتی نہیں ہے۔یہ کیسا گانا بنایا ہے اوشا نے۔لیکن جب تمھارا گانا سنا تو بھاگ کر آیا، یہ تو اچھا گانا ہے۔پھر بڑے اچھے ماحول میں ریکارڈنگ ہوئی۔

صدر عالم گوہر۔ رفیع صاحب کے ساتھ کوئی واقعہ بتایئے۔

اوشا کھنہ۔ رفیع صاحب سمپل آدمی تھے۔بہت ہی سیدھے آدمی تھے۔ پہلے ریہرسل کرتے تھے۔ریہرسل کرنے کے لیے کہتے تھے کہ گھر پر آؤ۔ ہماری نو بجے کی ریکارڈنگ ہوتی تھی تو وہ ساڑھے آٹھ بجے بلاتے تھے۔میں جاتی تو چائے وائے وہ پلاتے تھے۔گانا سناتی تو کہتے اچھا گانا بنایا ہے۔سیکھیں گے۔کتنے بجے آ جاؤں۔میں بولتی تھی ساڑھے نو دس بجے تک۔وہ کہتے تھے ٹھیک ہے اچھا۔وہ آجاتے تھے بہت سمپل آدمی تھے۔

صدر عالم گوہر۔ مناڈے جی کے بارے میں کچھ کہیے۔

اوشا کھنہ۔ مناڈے جی کے ساتھ کوئی خاص بات نہیں ہے۔میں بہت چھوٹی تھی تب انھوں نے میرے لیے ایک گانا گایا تھا،"اپنے لیے جیے تو کیا جیے، اے دل تو جی زمانے کے لیے"۔

صدر عالم گوہر۔ مکیش جی کے بارے میں کچھ بتایئے؟

اوشا کھنہ۔ مکیش جی کے ساتھ ہماری ٹیوننگ بڑی اچھی تھی۔وہ تو ادھر آجاتے تھے۔ریہرسل کے لیے۔تب میری بلڈنگ میں لفٹ نہیں تھی۔اب تو لفٹ ہے۔میں کہتی تھی آپ مت آیئے۔آپ ہارٹ پیشنٹ ہیں۔تو وہ کہتے تھے آجاؤں گا دھیرے دھیرے۔وہ آ کر ممی کو بولتے تھے بھابھی چائے بنا دو مٹھی کھانی ہے۔مٹھی اور چائے پیتے تھے۔ باتیں کرتے تھے۔وہ آتے تھے تو ٹینشن نہیں رہتا تھا۔انہیں ریہرسل کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ کہتے گانا کیا ہے وہ بتا دو، سکھا دو۔میرے ساتھ بڑے اچھے تعلقات تھے مکیش جی کے۔

صدر عالم گوہر۔ لتا جی آشا جی کے بارے میں کچھ بتایئے؟

اوشا کھنہ۔ سب پیار کرتی تھیں۔

صدر عالم گوہر۔ سنا ہے لتا جی تو کبھی کبھی بہت غصہ ہو جاتی تھیں۔

اوشا کھنہ۔ میرے ساتھ غصہ نہیں ہوتی تھیں۔کسی سنگر سے مجھے کوئی پرابلم نہیں تھی۔آشا جی نے تو مجھے بیٹی بنا کر رکھا تھا۔

صدر عالم گوہر۔ ندا فاضلی صاحب کے ساتھ بھی آپ کے تعلقات اچھے تھے۔ندا صاحب کے ساتھ میں آپ سے ایک بار ملا تھا۔ تب نئی نئی کار لی تھی انھوں نے۔اس دن میں بھی ندا صاحب کے ساتھ کار میں تھا۔آپ کار سے کہیں سے آرہی تھیں۔آپ نے ان کو دیکھ کر اپنی کار روکی تھی اور ندا صاحب سے بہت دیر تک گفتگو کی تھی۔کچھ ندا فاضلی صاحب کے بارے میں بتایئے؟

اوشا کھنہ۔ ندا صاحب پہلے میرے گھر کے قریب ہی رہتے تھے۔ وہ میرے رائٹر بھی تھے۔دوست بھی تھے۔ہم لوگ برابر ملتے رہتے تھے، کام ہونا ہو ہم لوگ ملتے تھے۔کبھی وہ میرے گھر آتے تھے تو کبھی میں ان کے گھر جاتی تھی۔وہ شاعری کرتے تھے۔ان کے دوست بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔وہ ہر بار ضد کر کے کھانا کھا کر جاؤ کہتے تھے۔بہت خوش مزاج آدمی تھے۔ظرافت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔جب گانا لکھوانے جاتی تو کہتے رکو رکو میرے پاس بہت گانے ہیں۔میں تم کو دے دوں گا۔ایسے ہی میں بیٹھے بیٹھے انھوں نے کئی گانے دئے۔

صدر عالم گوہر۔ ندا فاضلی کا تحریر کردہ نغمہ۔

تو اس طرح سے میری زندگی میں شامل ہے
جہاں بھی جاؤں یہ لگتا ہے تیری محفل ہے

ندا فاضلی کے بہترین نغموں میں شامل ہے۔یہ نغمہ بہت مشہور بھی ہوا تھا۔آج بھی ریڈیو ٹی وی اور اب سوشل میڈیا پر بجتا ہوا سنائی دیتا ہے۔ یہ نغمہ آپ کے بھی سپر ہٹ نغموں میں شامل ہے۔کچھ اس نغمے سے منسلک واقعہ ہو تو بتائیں؟

اوشا کھنہ۔ جس طرح ندا فاضلی کہتے تھے۔بیٹھو میرے پاس بہت گانے ہیں میں تم کو دے دوں گا۔اسی طرح انھوں نے یہ گانا دے دیا تھا،"تو اس طرح سے میری زندگی میں شامل ہے"۔پھر ایک دن میں نے

اس کی ٹیون بنائی۔ اپنے پروڈیوسر کو سنائی۔ ان کو بہت اچھی لگی۔ وہ بولے ''یہ گانا ہم کو دے دو''، تو میں نے ندا جی سے کہا دے دوں۔ تو انھوں نے کہا دے دو، تمھارا گانا ہے۔ جس کو بھی دینا ہو دے دو۔ ندا صاحب کے ساتھ بھی میری اچھی بنتی تھی۔ ندا جی کی تو بہت یاد آتی ہے۔ بڑے خوش مزاج اور ہنسی مذاق کرنے والے آدمی تھے۔ بڑی اچھی گفتگو ہوتی تھی۔

صدر عالم گوہر۔ نغمہ نگار یوگیش (جن کو لوگ پیار سے یوگی دا کہتے ہیں) کے بارے میں کچھ بتایئے؟

اوشا کھنہ۔ یوگی دا (نغمہ نگار یوگیش) کے ساتھ بھی بڑی مستی تھی۔ ان کے ساتھ لگتا نہیں تھا کہ وہ رائٹر ہیں۔

صدر عالم گوہر۔ یوگیش جی نے مجھے بتایا تھا کہ ایک خالص اردو ٹائپ کا گانا تھا۔ آشا جی ریہرسل میں آپ سے بولی تھی کہ جب گانا ریکارڈ ہو تو اس گانے کے جو رائٹر ہیں ان کو بلانا ریکارڈنگ کے وقت۔ جب ریکارڈنگ ہو رہی تھی تو اسٹوڈیو میں ریکارڈنگ کے بعد آشا جی نے آپ سے پوچھا کہ یہ گانا جنہوں نے لکھا ہے۔ وہ مولوی صاحب کہاں ہیں؟ اپ نے یوگیش جی کی طرف اشارہ کر کے کہا، یہی تو ہیں اس گانے کے رائٹر۔ اس پر آشا جی بولیں، یہ تو شرٹ پینٹ پہنے شروع سے بیٹھے ہیں۔ شروع سے ان کو دیکھ رہی ہوں۔ آشا جی سوچ رہی تھی کہ یہ خالص اردو گانا ہے۔ اس گانے کو لکھنے والے کوئی مولوی قسم کے آدمی ہوں گے شیروانی اور پاجامے میں۔ کیونکہ خالص اردو کی چاشنی لیے ہوئے وہ گانا ہی ایسا تھا۔

سو بار بنا کر مالک نے سو بار مٹایا ہوگا
یہ حسن مجسم تب تیرا اس رنگ پہ آیا ہوگا
کئی لعل تراشے ہوں گے تب ہونٹ بنائے ہوں گے
دانتوں کی جگہ یہ موتی چن چن کے لگائے ہوں گے
زلفیں کالی کرنے کو بدلی کو جلایا ہوگا
یہ حسن مجسم تب تیرا اس رنگ میں آیا ہوگا

پھر ایک بار کا واقعہ ہے کہ ایک گانے کی ریکارڈنگ کے وقت آشا جی نے آپ سے پوچھا تھا، ''یہ گانا کس نے لکھا ہے؟ تو آپ نے یوگیش جی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ تب آشا جی بھڑک اٹھی تھیں، ''یہ کیسا گانا ہے۔ اس پر یوگیش جی نے کہا، ''یہ فوک ہے''۔ تو آشا جی نے کہا، ''یہ سب آپ لوگ لکھ لیتے ہیں اور کہتے ہیں فوک ہے۔'' یہ سب باتیں مجھے یوگیش جی نے بتائی تھیں۔ جب میں ان کا انٹرویو لے رہا تھا۔

اوشا کھنہ۔ ہاں، ہاں۔ یاد آ رہے ہیں، یہ سارے واقعات۔

صدر عالم گوہر۔ ساحر صاحب کے ساتھ کون سی فلم تھی جو آپ نے کی؟

اوشا کھنہ۔ فلم ''ہم ہندوستانی'' میں سب شاعر تھے۔ ساحر صاحب، پریم دھون

صدر عالم گوہر۔ اچھا، یہ بتائیں کہ کئی کئی شاعر ایک فلم میں نغمے لکھتے ہیں، ایسا اب ہو رہا ہے۔ یا یہ پہلے سے ہی ہوتا آیا تھا؟ میں نے سنا ہے کہ ساحر صاحب اکیلے پوری فلم کے گانے لکھتے تھے۔

اوشا کھنہ۔ یہ پہلے بھی ہوتا تھا۔

صدر عالم گوہر۔ کس شاعر کے ساتھ آپ کی اچھی ٹیوننگ تھی۔

اوشا کھنہ۔ سبھی شاعروں کے ساتھ میری اچھی ٹیوننگ تھی۔ میں نے کبھی کسی پروڈیوسر پر اپنی مرضی نہیں تھوپی۔ پروڈیوسر جس شاعر کو لاتے تھے میں ہاں کر دیتی تھی۔ ساون کمار جی کے ساتھ میرے جتنے گانے ہیں سب بڑے اچھے گانے ہیں۔ جیسے:

تیری گلیوں میں نہ رکھیں گے قدم آج کے بعد

صدر عالم گوہر۔ وہ تو خیر مائل اسٹون ہے۔

صدر عالم گوہر۔ کوئی ایسی تمنا جو پوری نہیں ہوئی ہو۔

اوشا کھنہ۔ بس یہی خواہش ہے کہ جب تک زندگی ہے کام کرتی رہوں۔ کام چلتا رہے، چلتا رہنا چاہیے۔

صدر عالم گوہر۔ اسٹیج پروگرام کرنے آپ ممبئی سے باہر نہیں جاتی ہوں گی؟

اوشا کھنہ۔ جاتی ہوں۔ ابھی اندور گئی تھی۔ اندور میں دو پروگرام کر کے آئی ہوں۔ مجھے پروگرام کرنا اچھا لگتا ہے۔ وہاں جاتی ہوں۔ مجھے کوئی ٹینشن نہیں ہے۔ اوپر والے کا دیا سب کچھ ہے۔ گاڑی بھی ہے۔ ڈرائیور بھی ہے۔ نوکر بھی ہے۔ سب کچھ ہے۔ اوپر والے کی سب مہربانی ہے مجھ پر۔ اب سونے کی تو روٹی کھانی نہیں ہے۔ جی چاہے بریانی کھا لو، جی چاہے سادہ دال چاول کھا لو۔ اتنا سکھی جیون چل رہا ہے۔ کسی کی محتاج نہیں ہوں اور کیا چاہیے۔ میں نے فلم لائن میں لوگوں کا اتنا برا حال دیکھا ہے کہ کیا کہوں۔ لوگ سوچتے نہیں تھے کہ آگے کیا ہوگا۔ خواہشیں کنٹرول میں رہنی چاہیے۔ آگے کام ملے نہ ملے، کام ہو نہ ہو، اس کے حساب سے چلنا چاہیے۔

صدر عالم گوہر۔ آپ پہلے گانے لکھواتی ہیں یا ٹیون بناتی ہیں۔ جبکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میوزک ڈائریکٹر پہلے ٹیون بناتے ہیں پھر گانے لکھواتے ہیں۔

اوشا کھنہ۔ نہیں، میں پہلے فلم کی سچویشن کے مطابق گانے لکھواتی ہوں، پھر اس کے بعد ٹیون بناتی ہوں۔

صدرعالم گوہر۔ ایک موسیقار میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہیے؟

اوشا کھنہ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر چیز کی نالج ہونی ضروری ہے۔ مگر یہ نہیں کہ کلاسیکل نہیں آتا ہو تو میوزک ،ارکٹر نہیں بن سکتا آدمی۔ ایسا نہیں ہے۔ اگر آپ کو ہٹ سنگیت کار بننا ہے تو پبلک کی نبض پکڑنے کے بعد ہی ٹیون بنائیے۔ کیونکہ مجھے تو کسی کلاسیکل والے کو سنانا نہیں ہے ۔میرے گانے رکشے والے سنیں گے،،تب گانے ملیں گے۔آپ ایسا گانا بنائیں جو سب کی سمجھ میں آجائے۔آسان سے آسان،اچھا،میٹھا گانا ہونا چاہیے۔اچھا لکھا ہونا چاہیے۔اس کی شاعری اچھی ہونی چاہیے۔

صدرعالم گوہر۔ ایک فلمی گیت کار میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہیے؟

اوشا کھنہ۔ بات چیت کی لینگویج سیکھیں۔جیسے میں نے عام بات چیت پر لکھا ہوا گانا بنایا۔چائے پہ بلایا ہے۔ہلکی پھلکی یا با محاورہ روز مرہ کی چیزوں سے جو گانا بنایا جاتا ہے،گانا بنتا ہے۔وہ لوگوں کو اچھا لگتا ہے۔کامیاب ہوتا ہے۔اگر فلم کی ضرورت اچھی شاعری کی ہو تو غزل نما گانے بھی میں لکھواتی ہوں۔

صدرعالم گوہر۔ آپ نے اپنا قیمتی وقت مجھے دیا اس کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ۔

□□□

Sadre Alam Gauher
1138, New Islamabad Nalapar,
Bhiwandi,
Thane-421302 (M.S)
Mob-7715980144
Email-gauhersadre@gmail.com

Subscription Form "Mahnama Khwateen Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'ماہنامہ خواتین دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر................................ ......بتاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے IFSC:CNRB0019009،A/C: 90092010045326

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'ماہنامہ خواتین دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159, E-mail:magazines@ncpul.in

دستخط

شاعرات کے منتخب اشعار

مجتمع گر میری آہوں کا دھواں ہو جائے گا
آسماں اک اور زیر آسمان ہو جائے گا

اک جہنم ہے نہاں سینہ میں ضائع کرنہ تیر
آتے آتے دل تلک جل کر دھواں ہو جائے گا

مخفی لکھنوی

ایک عرصہ تک لیا ہے دشمنی کا جائزہ
اور کیا لیتے کسی کی دوستی کا جائزہ

دور کرنے میں رہے ہم دو دلوں کی تلخیاں
دوست لیتے ہی رہے تر دامنی کا جائزہ

انوری بیگم

مجھ سے بھی برسر پیکار ہے قسمت میری
دیکھنا جنگ کا نقشہ ہے تو آ دیکھ مجھے

لوگ پوچھیں گے مری صورت و سیرت تجھ سے
منہ کسی کو جو دکھانا ہے تو آ دیکھ مجھے

زاہدہ خاتون شروانیا

غضب مل کر جدا مجھ سے ترا او فتنہ گر ہونا
ستم نالوں کا پر تاثیر ہو کر بے اثر ہونا

جگر میں درد لب پر نالۂ وحشت اثر ہونا
عیاں کرتا ہے اک رشک پری کا دل میں گھر ہونا

انوری جہاں بیگم حجاب

گھر کا رستہ بھی ملا تھا شاید
راہ میں سنگ وفا تھا شاید

اس قدر تیز ہوا کے جھونکے
شاخ پر پھول کھلا تھا شاید

ادا جعفری

آیئے آیئے دکھلایئے صورت اپنی
دم شب ہجر میں آیا ہے لبوں پر میرا

قتل ہوتے ہوتے جی بھر کے انھیں دیکھ لیا
حوصلہ آج تو نکلا تہہ خنجر میرا

وفا لکھنوی

وہ ایک رشتۂ بے نام بھی نہیں لیکن
میں اب بھی اس کے اشاروں پر سر جھاؤں گی

جرم کس کا تھا سزا کس کو ملی
کیا گئی بات یہ محبت کرنا

پروین شاکر

نقش کی طرح ابھرنا بھی تمھیں سے سیکھا
رفتہ رفتہ نظر آنا بھی تمھیں سے سیکھا

تم سے حاصل ہوا اک گہرے سمندر کا سکوت
اور ہر موج سے رونا بھی تمھیں سیکھا

زہرا نگاہ

بھارتیہ نیائے سنہتا میں خواتین سے متعلق جرائم

خواجہ عبدالمنتقم

ہمارے ملک میں یکم جولائی، 2024 کو نافذ ہونے والے تین قوانین 'بھارتیہ نیائے سنہتا، بھارتیہ ناگرک سرکشا سنہتا اور بھارتیہ ساکشے ادھینیم دراصل مجموعہ تعزیرات بھارت (آئی پی سی)، مجموعہ ضابطہ فوجداری (سی آر پی سی) اور قانون شہادت کا نقش ثانی ہیں۔ ہم نے اس مضمون میں بھارتیہ نیائے سنہتا، جسے ان تینوں قوانین میں کلیدی اہمیت حاصل ہے، کی خواتین سے متعلق خاص طور پر صرف ان نئی اہم چنندہ نئی دفعات کا جائزہ لیا ہے جو نئی سنہتا میں خواتین سے متعلق باب 5 کا حصہ ہیں۔ ان میں بیشتر دفعات وہی ہیں جو پرانی آئی پی سی میں شامل تھیں لیکن ان میں سے کچھ دفعات میں ترامیم کی گئی ہیں، کچھ کو حذف کیا گیا ہے اور کچھ نئی دفعات شامل کی گئی ہیں۔ پرانی آئی پی سی میں دفعات کی تعداد 511 تھی جبکہ نئی سنہتا میں صرف 358 دفعات شامل ہیں:

☆ سنہتا کے فقرۂ تعریفی میں صنف سے متعلق دفعہ 2 (10) میں Transgender کو بھی شامل کیا جانا

پرانی آئی پی سی کی دفعہ 2 (10) میں 'مرد' اور عورت کو شامل کیا گیا تھا لیکن نئی سنہتا میں Transgender یعنی ترا جنسیتی کو بھی شامل کرلیا گیا ہے۔

☆ چھوٹے موٹے جرائم (Petty crimes) کے لیے سزا کے طور پر خدمت خلق (Community service) کی بابت التزام۔

پرانی آئی پی سی کی دفعہ 53 میں مجرم کو جن مختلف النوع سزائیں دینے کا التزام تھا وہ تھیں سزائے موت، عمر قید، قید با مشقت، قید سادہ، ضبطی جائیداد، جرمانہ۔ نئی سنہتا کی دفعہ 4 کے ذریعے ایک نئی مدیعنی خدمت خلق کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ چھوٹے موٹے جرم سے ایسا جرم مراد ہے جس کی سزا بھارتیہ ناگرک سرکشا سنہتا کی دفعہ 229(2) کے تحت صرف 5000 روپے تک کا جرمانہ ہو لیکن اس کا اطلاق موٹر گاڑی ایکٹ کے تحت قائم کیے گئے معاملات پر نہیں ہوگا۔

☆ کسی شخص کا کسی عورت کو دھوکا دہی کے ذریعے شادی کا یقین دلا کر اس کے ساتھ جنسی مباشرت کرنا

جو کوئی کسی عورت کو دھوکا دہی کی راہ اختیار کرتے ہوئے اسے شادی کا یقین دلا کر، جبکہ اس کی نیت شادی کرنے کی نہ ہو، اس کے ساتھ جنسی مباشرت کرتا ہے، جو زنا بالجبر کے زمرے میں نہیں آتی، اسے سنہتا کی دفعہ 69 کے تحت دونوں میں سے کسی بھی قسم کی دس سال تک کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔ دھوکا دہی میں شامل ہیں بہلانا پھسلانا، نوکری دلانے یا ترقی کا جھوٹا وعدہ کرنا یا اپنی شناخت چھپا کر

کسی سے شادی کرنا۔

گذشتہ کئی سالوں میں اس قسم کے معاملات کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کی دستیاب رپورٹ کے مطابق ان معاملات کی تعداد جو 2020 میں 4,28,278 تھی 2022 میں بڑھ کر 4,45,256 ہو گئی اور اس گراف کی بالا روئی کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔

☆ 16 سال اور 12 سال سے کم عمر والی عورت کے ساتھ زنا بالجبر

سنہتا کی دفعہ 65 (1) کے مطابق 16 سال سے کم عمر کی عورت کے ساتھ زنا بالجبر کی صورت میں مجرم کو اس مدت تک کی قید بامشقت کی سزا دی جائے گی جو 20 سال سے کم نہ ہو لیکن جو عمر قید یعنی اس کی بقایا قدرتی زندگی تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ جرمانہ اتنا ہوگا جس سے ستم رسیدہ کے طبی اور بازآبادکاری کے اخراجات کو بخوبی پورا کیا جا سکے۔ اس دفعہ کے تحت عائد کیے گئے جرمانے کی رقم ستم رسیدہ کو دی جائے گی۔

سنہتا کی دفعہ 65 (2) کے مطابق 12 سال سے کم عمر کی عورت کے ساتھ زنا بالجبر کی صورت میں مجرم کو اس مدت تک کی قید بامشقت کی سزا دی جائے گی جو 20 سال سے کم نہ ہو لیکن جو عمر قید یعنی اس کی بقایا قدرتی زندگی تک ہو سکتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس پر جرمانہ بھی عائد ہوگا یا سزائے موت دی جائے گی مگر شرط یہ ہے کہ جرمانہ اتنا ہوگا جس سے ستم رسیدہ کے طبی اور بازآبادکاری کے اخراجات کو بخوبی پورا کیا جا سکے۔ اس دفعہ کے تحت عائد کیے گئے جرمانے کی رقم ستم رسیدہ کو دی جائے گی۔

☆ کسی بااختیار شخص کا اپنی بااختیار یا امانتی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تحویل یا اپنے ماتحت کسی عورت کے ساتھ جنسی مباشرت کرنا

سنہتا کی دفعہ 68 کے مطابق اس کا یہ فعل زنا بالجبر کے درجے میں نہیں آئے گا لیکن اسے دونوں میں سے کسی بھی قسم کی کم از کم 5 سال کی قید بامشقت اور زیادہ سے زیادہ 10 سال تک کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

☆ اجتماعی زنا بالجبر

جہاں ایک یا ایک سے زیادہ افراد کسی گروپ کی شکل میں یا بہ پیش رفت غرضِ مشترک کسی عورت کے ساتھ زنا بالجبر کرتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کی بابت یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے زنا بالجبر کے جرم کا ارتکاب کیا ہے اور اسے سنہتا کی دفعہ 70 (1) کے تحت اجتماعی زنا بالجبر کے لیے اس مدت تک کی قید بامشقت کی سزا دی جائے گی جو 20 سال سے کم نہ ہو لیکن جو عمر قید یعنی اس کی بقایا قدرتی زندگی تک ہو سکتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس پر جرمانہ بھی عائد ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ جرمانہ اتنا ہوگا جس سے ستم رسیدہ کے طبی اور بازآبادکاری کے اخراجات کو بخوبی پورا کیا جا سکے۔ اس دفعہ کے تحت عائد کیے گئے جرمانے کی رقم ستم رسیدہ کو دی جائے گی۔

مگر جہاں ایک یا ایک سے زیادہ افراد کسی گروپ کی شکل میں یا بہ پیش رفت غرضِ مشترکہ کسی 18 سال سے کم عمر کی عورت کے ساتھ زنا بالجبر کرتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کی بابت یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے زنا بالجبر کے جرم کا ارتکاب کیا ہے اور اسے سنہتا کی دفعہ 70 (2) کے تحت عمر قید یعنی اس کی بقایا قدرتی زندگی تک کی سزا دی جائے گے اور اس کے ساتھ ساتھ اس پر جرمانہ بھی عائد ہوگا یا سزائے موت دی جائے گی مگر شرط یہ ہے کہ جرمانہ اتنا ہوگا جس سے ستم رسیدہ کے طبی اور باز آبادکاری

کے اخراجات کو بخوبی پورا کیا جا سکے۔ اس دفعہ کے تحت عائد کیے گئے جرمانے کی رقم ستم رسیدہ کو دی جائے گی۔

☆جنسی ایذادہی (Sexual harassment)

سنہتا کی دفعہ 75(1) کے مطابق مندرجہ ذیل حرکات میں سے کوئی بھی حرکت کرنے والا شخص جنسی ایذادہی کے جرم کا مرتکب ہوگا۔

(i) جسمانی لمس و پیش رفت جس میں ناشائستہ جنسی پیش رفت و شہوانی خواہش کا اظہار شامل ہے؛ یا

(ii) التفات جنسی کی طلب یا درخواست؛ یا

(iii) کسی عورت کو اس کی مرضی کے خلاف فحش تحریر یا تصویر (Pornography) دکھانا؛ یا

(iv) جنسی نوعیت کی چھینٹا کشی۔

☆Snatching

سنہتا کی دفعہ 04 کے مطابق اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے اچانک تیزی سے جھپٹ کر کوئی منقولہ شے چھین لیتا ہے تو اسے snatching کہا جائے گا اور اس کی یہ حرکت چوری مانی جائے گی جس کے لیے اسے ایک تا سات سال تک کی کسی بھی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

☆ڈاکٹروں کو سرجری کے معاملات میں تحفظ

سنہتا کی دفعہ 26 کے مطابق اگر کوئی سرجن یہ جانتے ہوئے کہ مخصوص آپریشن سے مریض کی موت ہونے کا امکان ہے تو وہ اس کی جان بچانے کے لیے نیک نیتی سے اس کی رضامندی سے آپریشن کرتا ہے تو اسے کسی جرم کا مرتکب نہیں سمجھا جائے گا۔

ان دفعات کے علاوہ سنہتا میں پرانی آئی پی سی کی بیشتر دفعات کو نئے نمبر دے کر یا عبارت حاشیہ میں تبدیلی کر کے یا معمولی ترامیم کر کے برقرار رکھا گیا ہے جیسے خواتین کی آبروریزی، ستم رسیدہ کی پہچان کا انکشاف، اغوا، فاسقانہ بیوپار، ناجائز جنسی مباشرت، ستم رسیدہ کی موت واقع کرنے یا نتیجتاً اسے مسلسل بے خبری کی حالت میں پہنچانا، عورت کی عصمت دری کی نیت سے اس پر حملہ یا جبر مجرمانہ کا استعمال، کسی عورت کو برہنہ کرنے کے لیے مجبور کرنے کی نیت سے اس پر حملہ کرنا یا جبر مجرمانہ کا استعمال کرنا، شہوت نظری، یعنی جنسی حرکات یا اعضاء کے نظارے سے جنسی تسکین (Voyeurism)، تعاقب دزدیدہ، خفیہ طور پر پیچھا کرنا (stalking)،، خاوند یا بیوی کا دوران حیات دوسری شادی کرنا، شادی شدہ عورت کو مجرمانہ نیت سے بہکا کر بھگا لے جانا یا حراست میں رکھنا، جہیز موت (Dowry Death)، کسی عورت کی عفت میں دخل اندازی کی نیت سے کہی گئی بات، کیا گیا اشارہ یا کی گئی حرکت، مذہبی جرائم، علاحدگی کے دوران شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ جنسی مباشرت، مذہبی جرائم وغیرہ۔ البتہ خودکشی کی کوشش اور dultery یعنی کسی دوسرے شخص کی بیوی سے اس کے شوہر کی مرضی کے بغیر جماع کرنا، جرائم خلاف وضع فطری سے متعلق دفعات کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔

اب جرم کہیں پر بھی ہوا ہو، ارتکاب جرم کی رپورٹ کسی بھی پولیس اسٹیشن میں بطور Zero FIR لکھوائی جا سکتی ہے۔

❑❑❑

Khwaja Abdul Muntaqim
H-3, Dharma Apartment
2-I.P.Extn.
Delhi-110092

ڈاکٹر صالحہ صدیقی

राष्ट्रीय महिला कोष
Rashtriya Mahila Kosh

ہندوستانی خواتین کی تعمیر و ترقی میں سرکاری اقدامات

سوشل میڈیا کے بڑھتے رجحانات، سائنسی ایجادات اور بڑھتے ٹکنالوجی کے دور میں ہمارا معاشرہ تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے، خواتین کو لے کر مردوں کے نظریات میں بھی بڑی تبدیلی آئی ہے، اب مرد گھر میں شریک کار کے طور پر خواتین کی رائے کا احترام کرتے ہیں۔ وہ زمانہ نہیں رہا جب عورت اپنے حقوق سے بھی محروم تھی، وہ مردوں پر منحصر تھی، آج گھر کے اندرونی معاملات سے لے کر گھر کے بڑے فیصلوں میں خواتین حصہ لے رہی ہیں۔ این ایف ایچ ایس-5 کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ آج 88.7 فیصد خواتین بڑے گھریلو فیصلوں میں حصہ لیتی ہیں جبکہ پانچ سال پہلے خواتین کی یہ تعداد 84 فیصد تھی۔ یہی نہیں گزشتہ 10 برسوں میں خاوند اور بیوی کے درمیان ہونے والے تشدد کے واقعات میں بھی کمی آئی ہے۔ اس رپورٹ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ 29 فیصد شادی شدہ خواتین نے ازدواجی تشدد کا سامنا کرنے کی اطلاع پولیس میں یا خواتین کے لیے جدوجہد کر رہے اداروں میں دی ہے جب کہ یہ تعداد 10 سال پہلے 39 فیصد اور پانچ سال پہلے 33 فیصد تک تھی۔ ہندوستان اس وقت دنیا کے ان 15 ممالک میں سے ایک ہے جہاں ایک خاتون سربراہ مملکت ہے۔ عالمی سطح پر ہندوستان میں مقامی حکومتوں میں منتخب خواتین کے نمائندوں کی مطلق تعداد سب سے زیادہ ہے۔ سرکار نے پچھلے کئی برسوں میں خواتین سے متعلق مختلف گوشوں میں کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں صدر جمہوریہ دروپدی مرمو نے بھی اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کیا۔ انھوں نے 16 جنوری کو راشٹرپتی بھون میں کہا کہ:

> ملک کی ترقی کے لیے خواتین کو با اختیار ہونا بہت ضروری ہے۔ 2047 تک ملک کو ایک ترقی یافتہ ملک بنانے کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے سماجی، اقتصادی، سیاسی اور روحانی شعبوں میں خواتین کو با اختیار بنانا ضروری ہے۔ ہندوستانی خواتین اپنی شناخت قائم کر رہی ہیں اور دوسری خواتین کے لیے ہر شعبے میں چاہے وہ دفاع ہو، سائنس و ٹیکنالوجی، کھیل، تعلیم، کاروباری، زراعت یا کوئی اور شعبہ ہو، آگے بڑھنے کے لیے راستہ ہموار کر رہی ہیں۔ انہیں صرف کچھ الفاظ اور حوصلہ افزائی کے چھوٹے چھوٹے اقدامات کی ضرورت ہے، جن سے ان کا جوش وجذبہ مزید بڑھ سکے۔ خواتین کی زیر قیادت ترقی کے نظریہ کو اسی وقت نافذ کیا جا سکتا ہے جب خواتین کو اپنے انتخاب کی آزادی حاصل ہو۔ معاشی آزادی کے ساتھ یہ کسی حد تک حقیقت بن گیا ہے۔ معاشی خود انحصاری خواتین میں زیادہ خود اعتمادی پیدا کرتی ہے۔ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے کہ خواتین ملک کی سماجی واقتصادی

ترقی میں فعال حصہ داری نبھائیں۔ حکومت نے خواتین کی سماجی اور معاشی ترقی کے لیے نہ صرف کئی اقدامات کیے ہیں بلکہ ان کی سیاسی شرکت کو یقینی بنانے کے لیے بھی اہم اقدامات کیے ہیں۔ تاہم خواتین کو بااختیار بنانے کی سمت میں ابھی بہت طویل سفر طے کرنا ہے۔ لوگ خواتین کی قدر اور خوبیوں کو پہچانیں اور ان کی حمایت کریں۔ یہ ان کا اکیلے کا سفر نہیں ہے بلکہ ہمارے ملک کی خواتین کی ایک بڑی تعداد کا سفر ہے، جنھوں نے اپنے گھروں کی چار دیواری سے باہر موجود مواقع کو تلاش کرنا ہے اور اپنے علاقے اور قوم کی دیگر خواتین کے لیے تحریک کا باعث بننا چاہیے۔

خواتین کی خودمختاری کا مطلب ہے کہ خواتین کو اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں خود فیصلے کرنے کا حق ہو۔ یہ معاشرتی، اقتصادی، تعلیمی اور سیاسی میدانوں میں مساوی حقوق اور مواقع کی بات کرتا ہے۔ سرکار نے طویل عرصے سے کوشش کی کہ خواتین کو تعلیم کے مساوی مواقع ملیں تاکہ وہ اپنی زندگی کے بارے میں بہتر فیصلے کرسکیں۔ سرکار نے اس ضمن میں کئی اہم فیصلے کیے ہیں، کئی اہم اسکیمیں نکالی ہیں تاکہ سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور ریاضی (ایس ٹی ای ایم) میں خواتین کی شرکت کو بڑھایا جاسکیں۔ موجودہ حکومت نے خواتین کی خودمختاری کو بڑھانے کے لیے مختلف اقدامات کیے ہیں۔ ان کا مقصد خواتین کو معاشرتی، اقتصادی، تعلیمی اور سیاسی میدانوں میں مساوی حقوق اور مواقع فراہم کرنا ہے۔ تاکہ خواتین بھی سماج میں خودمختاری کی زندگی گزار سکیں، یہاں سرکار کے ذریعہ اٹھائے گئے کچھ اہم اقدامات کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے:

بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ: یہ مہم لڑکیوں کی پیدائش کی شرح کو بڑھانے اور ان کی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے شروع کی گئی ہے۔ اس مہم کا مقصد لڑکیوں کی تعلیم کو اہمیت دینا اور انھیں تعلیم حاصل کرنے کے لیے مراعات فراہم کرنا ہے۔ ''بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ'' (Beti Bachao Beti Padhao) ایک مشہور حکومتی مہم ہے جو بچیوں کی بقا، تحفظ اور تعلیم کو فروغ دینے کے لیے شروع کی گئی تھی۔ اس مہم کا آغاز وزیراعظم نریندر مودی نے 22 جنوری 2015 کو ہریانہ کے شہر پانی پت میں کیا تھا۔ اس مہم کے مقاصد میں شامل ہیں:

.1 جنس کی بنیاد پر ہونے والے اسقاط حمل کو روکنا: ہندوستان میں لڑکیوں کی پیدائش کی شرح میں کمی کو روکنے کے لیے یہ مہم شروع کی گئی۔ صنفی امتیاز کی وجہ سے بچیوں کی تعداد میں کمی ایک بڑا سماجی مسئلہ بن گیا اس کی روک تھام بھی اس اسکیم کا اہم مقصد ہے۔

.2 بچیوں کی بقا اور تحفظ کو یقینی بنانا: بچیوں کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم اور امتیازی سلوک کو کم کرنے کے لیے یہ مہم چلائی گئی۔ ساتھ ہی بچیوں کو صحت مند زندگی گزارنے اور ان کی بنیادی ضروریات پوری کرنا بھی اس اسکیم کے حصول کا اہم جز ہے۔

.3 بچیوں کی تعلیم: اس اسکیم کے ذریعہ لڑکیوں کی تعلیم کو فروغ دینا اور انھیں اسکول بھیجنے کے لیے والدین کو ترغیب دی گئی۔ ساتھ ہی تعلیم کے ذریعے لڑکیوں کو خودمختار اور خودکفیل بنانے کے لیے اقدامات کیے گئے۔ اس مہم کی حکمت عملی میں شامل ہیں:

بیداری مہم: سوشل میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے لوگوں میں بیداری پیدا کرنا اور لڑکیوں کی اہمیت کے بارے میں معلومات فراہم کرنا۔ ساتھ ہی مختلف عوامی پلیٹ فارمز پر بچیوں کی تعلیم اور ان کے حقوق کے بارے میں بات چیت کا آغاز کرنا بھی اس کا اہم مقصد ہے۔

کثیر شعبہ جاتی اقدامات: صحت، تعلیم اور سماجی بہبود کے محکموں کے درمیان تعاون کو فروغ دینا، ساتھ ہی مقامی حکومتوں اور غیر سرکاری تنظیموں کے ساتھ مل کر کام کرنا۔

سرکاری اسکیمیں اور پالیسیز میں سرکار نے اسکولوں میں بچیوں کے لیے مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرنے کے لیے اہم اقدامات اٹھائے ہیں۔ ساتھ ہی بچیوں کے لیے خصوصی اسکالرشپس اور مالی امداد فراہم کی ہے، مثلاً:

وگیان جیوتی: وگیان جیوتی کو 2020 میں شروع کیا گیا تھا تاکہ 9 ویں سے 12 ویں کلاس تک سائنس اور ٹیکنالوجی کے مختلف اسٹریمز میں لڑکیوں کی کم نمائندگی کو متوازن کیا جاسکے۔ نتیجہ یہ کہ ہندوستان میں عالمی اوسط سے 10 فیصد زیادہ خواتین پائلٹس ہیں۔ عالمی سطح پر، انٹرنیشنل سوسائٹی آف ویمن ایئر لائن پائلٹس کے مطابق، تقریباً 5 فیصد پائلٹس خواتین ہیں۔ ہندوستان میں خواتین پائلٹوں کا حصہ نمایاں طور پر 15 فیصد سے زیادہ ہے۔ پرائمری اور سیکنڈری تعلیم میں لڑکیوں کے مجموعی اندراج کا تناسب (جی ای آر) لڑکوں کے تقریباً برابر ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور ریاضی (ایس ٹی ای ایم) میں لڑکیوں یا خواتین کی موجودگی 43 فیصد ہے، جو دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔

اوورسیز فیلوشپ اسکیم: یہ اسکیم 18-2017 میں شروع ہوئی، جس میں ہندوستانی خواتین سائنسدانوں اور تکنیکی ماہرین کو ایس ٹی ای ایم میں بین الاقوامی تعاون پر مبنی تحقیق کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے ہیں۔ کئی خواتین سائنسدانوں نے ہندوستان کے پہلے مارس آربیٹر مشن (ایم

اوایم) یا منگلیان میں اہم کردار ادا کیا ہے، جس میں اسپیس ایپلیکیشن سینٹر میں سائنسی آلات کی تعمیر اور جانچ بھی شامل ہے۔ 'بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ' مہم کے عمدہ نتائج دیکھنے کو ملے جن میں شامل ہیں:

تعلیمی شمولیت میں اضافہ: بچیوں کی اسکولوں میں داخلے کی شرح میں اضافہ ہوا۔ ساتھ ہی والدین کی جانب سے لڑکیوں کی تعلیم میں دلچسپی میں اضافہ دیکھنے کو ملا۔

صنفی امتیاز میں کمی: سماجی رویوں میں تبدیلی آئی اور لڑکیوں کی اہمیت کو زیادہ تسلیم کیا جانے لگا۔ جنس کی بنیاد پر اسقاط حمل کے واقعات میں کمی آئی۔

صحت اور غذائیت میں بہتری: بچیوں کی صحت اور غذائیت کے مسائل کو بہتر طریقے سے حل کیا گیا۔

اس طرح "بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ" مہم نے ہندوستان میں لڑکیوں کی بقا، تحفظ اور تعلیم کے حوالے سے مثبت تبدیلیاں لانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انسانی ارتقائے حیات کی کہانی میں مرد اور عورت دونوں کے وجود کے ذکر سے شروع ہوتی ہے۔ یہ ارتقائی سفر ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہے۔ بنی نوع انسان کی بقا کے لیے دونوں کا وجود ہی ناگزیر ہے۔ اس حقیقت سے مرد اور عورت دونوں آگاہ بھی ہیں لیکن اس آگہی کے باوجود مرد کی طرف سے عورت کے وجود کو دبانے اور اُس کا استحصال کرنے کی ایک طویل داستان بھی انسانی تاریخ کا اہم حصہ رہی ہے۔ سرکار کے یہ اقدام یقیناً خواتین کی ترقی میں اہم رول ادا کر رہے ہیں خصوصاً معاشرے میں صحت مند صنفی توازن کی پیمائش کرنے والے اہم اشاریوں میں سے ایک 'پیدائش کے وقت صنفی تناسب (ایس آر بی)' ہے۔ صحت اور خاندانی بہبود کی وزارت کے ہیلتھ مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم (ایچ ایم آئی ایس) کی تازہ ترین رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایس آر بی بہتر ہو رہا ہے اور 15 پوائنٹس کی خالص تبدیلی کے ساتھ 15-2014 سے 23-2022 (عارضی) کے دوران قومی سطح پر 918 سے بڑھ کر 933 ہو گیا ہے۔ حکومت کی طرف سے اٹھائے گئے اس قدم سے صنفی تناسب کی بہتری میں اہم کردار ادا کیا ہے، اس سے بچیوں کے تئیں سماجی رویہ کی تبدیلی کا نظریہ بھی شامل ہے نتیجہ یہ ہوا کہ پدرانہ ذہنیت میں تبدیلی آئی ہے، جو صدیوں سے لڑکیوں کو خاندان اور سماج کے ایک کمزور رکن کے طور پر تصور کرتی تھی۔ 'بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ' اسکیم نے عوام کی ذہنیت کو تبدیل کرنے میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔ اس اسکیم کی وجہ سے ایک بڑی تبدیلی یہ بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ گھر کے بڑے فیصلوں میں حصہ لینے والی خواتین کی تعداد میں بھی دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ نیشنل فیملی ہیلتھ سروے 5 (این ایف ایچ ایس 5) کہا گیا ہے کہ آج 88.7 فیصد خواتین بڑے گھریلو فیصلوں میں حصہ لیتی ہیں جبکہ پانچ سال پہلے یہ 84 فیصد تھا۔ یقیناً یہ مہم ایک مثال بن کر سامنے آئی ہے ساتھ ہی یہ ثابت کیا کہ حکومت اور معاشرہ مل کر بچیوں کے مستقبل کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ پردھان منتری نریندر مودی نے کئی اہم اقدام خواتین کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے اٹھائے ہیں جن میں شامل ہیں:

کستوربا گاندھی بالیکا ودیالیہ (KGBV): اس اسکیم کے تحت لڑکیوں کے لیے رہائشی اسکول قائم کیے گئے ہیں، خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں لڑکیوں کی تعلیمی شرح کم ہے۔ ساتھ ہی اس اسکیم کا مقصد پسماندہ اور غریب طبقے کی لڑکیوں کو مفت تعلیم فراہم کرنا ہے۔

پردھان منتری اُتکرش یوجنا: اس اسکیم کا مقصد لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کو فروغ دینا ہے۔ ساتھ ہی اس کے تحت لڑکیوں کو اسکالرشپ اور مالی معاونت فراہم کی جاتی ہے تاکہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں۔

مڈ ڈے میل اسکیم: مڈ ڈے میل اسکیم کے تحت لڑکیوں کو اسکول میں مفت دوپہر کا کھانا فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد لڑکیوں کی اسکول حاضری کو بڑھانا اور ان کی غذائیت کو بہتر بنانا ہے۔

اسکل انڈیا اور اسٹارٹ اپ انڈیا: ان پروگراموں کے تحت لڑکیوں کو ہنرمند بنانے کے لیے مختلف تربیتی پروگرامز منعقد کیے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی اس کا مقصد لڑکیوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنا اور انھیں خودمختار بنانا ہے۔

ڈیجیٹل انڈیا: اس پروگرام کے تحت لڑکیوں کو ڈیجیٹل تعلیم فراہم کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے گئے ہیں اس کا مقصد لڑکیوں کو ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرنا ہے۔

ریڈینس اور اڈاپٹ اے اسکول اسکیم: ان اسکیموں کے تحت نجی شعبے کی شمولیت کے ذریعے سرکاری اسکولوں کی بہتری کی جارہی ہے۔ اس کا مقصد لڑکیوں کو بہتر تعلیمی ماحول فراہم کرنا ہے۔

یہ اقدامات مرکزی حکومت کی طرف سے لڑکیوں کی تعلیم کو فروغ دینے اور انھیں تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرنے کے لیے کیے گئے ہیں۔ ان کا مقصد لڑکیوں کی تعلیمی شرح کو بڑھانا اور انھیں مضبوط اور خودمختار بنانا ہے۔ خواتین کی مکمل نشوونما کے لیے ان کی زندگی کو آسان بنانے کے لیے بھی پردھان منتری نریندر مودی نے کئی اہم اقدام اٹھائے ہیں جن میں شامل ہیں:

اوجولا یوجنا: اس منصوبے کے تحت غریب خاندانوں کی خواتین کو مفت ایل پی جی کنکشن فراہم کیے جاتے ہیں تاکہ انھیں صاف اور محفوظ ایندھن مہیا کیا جاسکے۔

پردھان منتری ماترتوا وندنا یوجنا (PMMVY): اس منصوبے کے تحت حاملہ خواتین اور دودھ پلانے والی ماؤں کو مالی مدد فراہم کی جاتی ہے اس کا مقصد خواتین کی صحت اور غذائیت کو بہتر بنانا ہے۔

جن دھن یوجنا: اس بینکنگ اسکیم کے تحت خواتین کو بینک اکاؤنٹس کھولنے اور مالی خودمختاری حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے ہیں۔

پردھان منتری سکنیا سمردھی یوجنا: اس سکیم کے تحت لڑکیوں کے لیے بچت کھاتوں کی سہولت فراہم کی گئی ہے تاکہ ان کے مستقبل کے اخراجات کے لیے مالی معاونت فراہم کی جاسکے۔

میک ان انڈیا پروجیکٹس: اس پروگرام کے تحت خواتین کو کاروباری مواقع فراہم کیے جارہے ہیں اور ان کے لیے خصوصی تربیتی پروگرامز منعقد کیے جارہے ہیں تاکہ وہ خودمختار ہوسکیں۔

سیف سٹی پروجیکٹس: خواتین کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے مختلف شہروں میں سیف سٹی پروجیکٹس شروع کیے گئے ہیں جن میں سی سی ٹی وی کیمرے، ہیلپ لائنز اور دیگر حفاظتی اقدامات شامل ہیں۔

قانونی اصلاحات: خواتین کے خلاف تشدد اور ہراسانی کی روک تھام کے لیے مختلف قانونی اصلاحات کی گئی ہیں، جن میں خواتین کے لیے خصوصی عدالتوں کا قیام اور قانونی معاونت فراہم کرنا شامل ہے۔

حکومت کی طرف سے خواتین کی خودمختاری کو بڑھانے کے لیے کیے گئے اہم اقدامات ہیں۔ جن کا مقصد خواتین کو مضبوط اور خودمختار بنانا ہے تاکہ وہ معاشرے میں مساوی مقام حاصل کرسکیں۔ یہ اقدامات خواتین کو معاشرتی، اقتصادی، تعلیمی اور سیاسی میدانوں میں ترقی دینے کے لیے کیے گئے ہیں۔ کچھ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہیں۔ جہاں بینکنگ سروسز کے ذریعے خواتین کو مالی شمولیت میں مدد ملتی ہے۔

مشن اندرادھنش: اس پروگرام کا مقصد حاملہ خواتین اور بچوں کو ویکسینیشن فراہم کرنا ہے۔ اس کا مقصد صحت کی سہولیات تک رسائی کو بہتر بنانا ہے۔

بی جے پی نے مسلم خواتین کی حفاظت اور حقوق کے تحفظ کے لیے کئی اہم اقدامات کیے ہیں۔ یہاں کچھ نمایاں اقدامات کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

تین طلاق کا خاتمہ: 2019 میں بی جے پی حکومت نے تین طلاق (طلاق بدعت) کو جرم قرار دینے والا قانون منظور کیا۔ اس قانون کے تحت کسی بھی مسلمان مرد کو فوری طور پر تین بار طلاق کہہ کر اپنی بیوی کو طلاق دینے پر تین سال کی سزا دی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس قانون کا مقصد مسلم خواتین کو اس غیر منصفانہ عمل سے بچانا اور انہیں قانونی تحفظ فراہم کرنا ہے۔

مسلم خواتین کی تعلیم اور خودمختاری: بی جے پی حکومت نے مسلم خواتین کی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے مختلف تعلیمی پروگرامز اور اسکالرشپ فراہم کی ہیں۔ جس کا مقصد مسلم خواتین کو تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرنا ہے تاکہ وہ خودمختار بن سکیں۔

مسلم خواتین کے لیے خصوصی فلاحی اسکیمیں: سرکار نے مختلف فلاحی اسکیموں کے ذریعے مسلم خواتین کو مالی معاونت فراہم کررہی ہے۔ ان سکیموں میں روزگار کے مواقع، کاروباری تربیت، اور مائیکروفنانس پروگرامز شامل ہیں۔

قانونی معاونت اور آگاہی پروگرامز: مسلم خواتین کو ان کے حقوق کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے مختلف آگاہی پروگرامز منعقد کیے جارہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قانونی معاونت بھی فراہم کی جارہی ہے تاکہ وہ اپنے حقوق کا تحفظ کرسکیں۔

خواتین کی حفاظت کے اقدامات: مختلف شہروں میں سیف سٹی پروجیکٹس کے ذریعے خواتین کی حفاظت کو یقینی بنایا جارہا ہے۔ ان پروجیکٹس میں سی سی ٹی وی کیمرے، ہیلپ لائنز، اور دیگر حفاظتی اقدامات شامل ہیں۔ بی جے پی نے خواتین کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے مختلف اقدامات اور پالیسیاں متعارف کروائی ہیں۔ ان اقدامات کا مقصد خواتین کو معاشرتی، اقتصادی، تعلیمی، اور سیاسی میدانوں میں تحفظ فراہم کرنا ہے۔ یہاں کچھ اہم اقدامات کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

نربھیا فنڈ: نربھیا فنڈ کا قیام 2013 میں کیا گیا تھا اور بی جے پی حکومت نے اس فنڈ کو مزید بڑھایا ہے۔ اس فنڈ کا مقصد خواتین کے تحفظ کے لیے مختلف پروجیکٹس اور اسکیموں کی مالی مدد فراہم کرنا ہے۔

ون اسٹاپ سینٹرز: حکومت نے ون اسٹاپ سینٹرز کا قیام کیا جہاں خواتین کو مختلف طرح کی مدد فراہم کی جاتی ہے، جیسے قانونی، طبی، اور نفسیاتی مدد۔ یہ مراکز ملک بھر میں قائم کیے گئے ہیں۔ جو خواتین کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے ایک محفوظ مقام فراہم کرتے ہیں۔

ہیلپ لائن نمبر 181: خواتین کی فوری مدد کے لیے ایک ہیلپ لائن نمبر 181 کا قیام کیا گیا ہے۔ اس ہیلپ لائن کے ذریعے خواتین کو

فوری مدد فراہم کی جاتی ہے، چاہے وہ کسی بھی قسم کی ایمرجنسی ہو۔

سیف سٹی پروجیکٹس: مختلف شہروں میں سیف سٹی پروجیکٹس شروع کیے گئے ہیں جن میں سی سی ٹی وی کیمرے، ہیلپ لائنز، اور دیگر حفاظتی اقدامات شامل ہیں۔ ان پروجیکٹس کا مقصد خواتین کی حفاظت کو یقینی بنانا اور انھیں محفوظ ماحول فراہم کرنا ہے۔

ہراسمنٹ مخالف قوانین: موجودہ حکومت نے کام کی جگہ پر خواتین کے خلاف ہراسمنٹ کو روکنے کے لیے سخت قوانین متعارف کروائے ہیں۔ ان قوانین کے تحت کام کی جگہ پر ہراسمنٹ کی شکایات کو حل کرنے کے لیے خصوصی کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔

ڈیجیٹل سیفٹی: بی جے پی حکومت نے خواتین کے لیے ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر محفوظ رہنے کے لیے آگاہی مہمات شروع کی ہیں۔ اس کے علاوہ، سائبر کرائم کے خلاف خواتین کی شکایات کو فوری حل کرنے کے لیے خصوصی سائبر سیل قائم کیے گئے ہیں۔

فاسٹ ٹریک عدالتیں: خواتین کے خلاف جرائم کی تیز تر سماعت کے لیے فاسٹ ٹریک عدالتیں قائم کی گئی ہیں۔ اس کا مقصد خواتین کے خلاف جرائم کے مقدمات کو جلد از جلد نمٹانا ہے۔

آگاہی پروگرامز: خواتین کی حفاظت کے بارے میں آگاہی پیدا کرنے کے لیے مختلف مہمات اور پروگرامز منعقد کیے جا رہے ہیں۔ ان پروگرامز کا مقصد عوام میں خواتین کے حقوق اور تحفظ کے بارے میں شعور بیدار کرنا ہے۔

یہ اقدامات بی جے پی حکومت کی طرف سے خواتین کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے کیے گئے ہیں۔ ان کا مقصد خواتین کو محفوظ ماحول فراہم کرنا اور ان کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ بی جے پی حکومت نے خواتین کی فلاح و بہبود اور راحت پہنچانے کے لیے مختلف فنڈز اور اسکیمیں متعارف کروائی ہیں۔ یہ فنڈز اور اسکیمیں خواتین کو معاشرتی، اقتصادی، اور تعلیمی میدانوں میں مدد فراہم کرنے کے لیے تشکیل دی گئی ہیں۔ مثلاً:

مہیلا شکتی کیندر: اس اسکیم کے تحت دیہی علاقوں میں خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے مراکز قائم کیے گئے ہیں۔ یہ مراکز خواتین کو تعلیم، صحت، اور روزگار کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔

اسکل ڈیولپمنٹ پروگرامز: خواتین کو ہنرمند بنانے کے لیے مختلف تربیتی پروگرامز اور اسکیمیں متعارف کروائی گئی ہیں۔ ان پروگرامز کا مقصد خواتین کو روزگار کے مواقع فراہم کرنا اور انھیں خودمختار بنانا ہے۔

سوابھیمان یوجنا: اس اسکیم کے تحت خواتین کو حیض کے دوران صفائی اور صحت کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس کا مقصد خواتین کی صحت کو بہتر بنانا ہے۔

اسٹیٹ ویمن ڈویلپمنٹ کارپوریشنز: ریاستی سطح پر خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے کارپوریشنز قائم کی گئی ہیں۔ ان کارپوریشنز کے تحت مختلف اسکیمیں اور پروگرامز چلائے جاتے ہیں جو خواتین کو مالی اور سماجی معاونت فراہم کرتے ہیں۔

قرض کی سہولتیں: خواتین کو کاروبار شروع کرنے کے لیے مختلف بینکوں اور مالی اداروں کے ذریعے قرض فراہم کیا جاتا ہے۔ جس کا مقصد خواتین کو کاروباری مواقع فراہم کرنا اور ان کی مالی حالت کو بہتر بنانا ہے۔

یہ اقدامات حکومت کی طرف سے خواتین کی فلاح و بہبود اور راحت پہنچانے کے لیے کیے گئے اہم اقدامات ہیں۔ ان کا مقصد خواتین کو مضبوط، خودمختار، اور محفوظ بنانا ہے۔

بی جے پی حکومت نے خواتین کے لیے سرکاری ملازمتوں میں ریزرویشن کے حوالے سے مختلف اقدامات کیے ہیں۔ ان اقدامات کا مقصد خواتین کو ملازمتوں میں مساوی مواقع فراہم کرنا اور ان کی ملازمت کی شرح کو بڑھانا ہے، مثلاً ریاستی سطح پر ریزرویشن مختلف ریاستوں میں بی جے پی حکومت نے خواتین کے لیے سرکاری ملازمتوں میں ریزرویشن فراہم کیا ہے، مثال کے طور پر:

مدھیہ پردیش: مدھیہ پردیش حکومت نے خواتین کے لیے سرکاری ملازمتوں میں 33% ریزرویشن فراہم کیا ہے۔

راجستھان: راجستھان حکومت نے خواتین کے لیے سرکاری ملازمتوں میں 30% ریزرویشن مقرر کیا ہے۔

پنچایتی راج اور بلدیاتی اداروں میں ریزرویشن: بی جے پی حکومت نے پنچایتی راج اور بلدیاتی اداروں میں خواتین کے لیے مخصوص نشستیں مختص کی ہیں۔ اس کا مقصد خواتین کی سیاسی شرکت کو بڑھانا اور انھیں مقامی حکومتوں میں شامل کرنا ہے۔

مرکزی حکومت کی ملازمتوں میں ریزرویشن: مرکزی حکومت کی سطح پر بھی مختلف اقدامات کیے گئے ہیں تاکہ خواتین کو مرکزی حکومت کی ملازمتوں میں شامل کیا جا سکے۔ اگرچہ مرکزی سطح پر مخصوص ریزرویشن کی پالیسی نہیں ہے، لیکن مختلف اسکیموں اور پروگراموں کے ذریعے خواتین کو مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔

پولیس اور دفاعی فورسز میں ریزرویشن: مختلف ریاستوں میں خواتین کے لیے پولیس فورسز اور دیگر دفاعی فورسز میں ریزرویشن فراہم کیا

گیا ہے۔ اس کا مقصد خواتین کو ان شعبوں میں شامل کرنا اور ان کی نمائندگی بڑھانا ہے۔

تعلیمی اداروں میں ریزرویشن: مختلف تعلیمی اداروں میں خواتین کے لیے مخصوص نشستیں مختص کی گئی ہیں تاکہ وہ تعلیم حاصل کر کے سرکاری ملازمتوں کے لیے اہل ہوسکیں۔ اس میں میڈیکل، انجینئرنگ، اور دیگر پروفیشنل کورسز شامل ہیں۔

کارپوریٹ اور نجی شعبے میں ریزرویشن کی حوصلہ افزائی: بی جے پی حکومت نے کارپوریٹ اور نجی شعبے کو بھی خواتین کے لیے مخصوص ریزرویشن پالیسیوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ مختلف نجی ادارے اور کمپنیاں بھی خواتین کے لیے ریزرویشن فراہم کر رہی ہیں۔

اسکالرشپ اور تربیتی پروگرامز: خواتین کو ملازمتوں کے لیے تیار کرنے کے لیے مختلف اسکالرشپ اور تربیتی پروگرامز متعارف کروائے گئے ہیں۔ ان پروگرامز کا مقصد خواتین کو ہنرمند بنانا اور انھیں مختلف ملازمتوں کے لیے تیار کرنا ہے۔

یہ اقدامات بی جے پی حکومت کی طرف سے خواتین کے لیے سرکاری ملازمتوں میں ریزرویشن اور مساوی مواقع فراہم کرنے کے لیے کیے گئے ہیں۔ ان کا مقصد خواتین کو معاشرتی اور اقتصادی میدانوں میں مضبوط اور خودمختار بنانا ہے۔

بی جے پی حکومت نے خواتین کی صحت کی بہتری کے لیے متعدد اقدامات اور پروگرامز متعارف کروائے ہیں۔ یہ اقدامات خواتین کی صحت، غذائیت، اور عمومی بہبود کو فروغ دینے کے لیے کیے گئے ہیں۔ مثلاً:

نیشنل ہیلتھ مشن (NHM): اس مشن کے تحت مختلف پروگرامز چلائے جاتے ہیں جو خواتین کی صحت کو بہتر بنانے اور ماں اور بچے کی صحت کی خدمات فراہم کرتے ہیں۔ اس میں زنانہ صحت کے مراکز، اور انیمیا اور دیگر صحت کے مسائل کے لیے خصوصی پروگرام شامل ہیں۔

ڈیلیوری ہاسپٹل کے لیے اسکیمیں: دیہی علاقوں میں خواتین کے لیے طبی سہولتوں کو بہتر بنانے کے لیے مختلف اسکیمیں چلائی جارہی ہیں۔ اس میں حاملہ خواتین کے لیے خصوصی صحت کی خدمات، طبی سہولتوں کا قیام، اور دیگر امداد شامل ہیں۔

سوابھیمان یوجنا: اس اسکیم کے تحت خواتین کو حیض کے دوران صفائی اور صحت کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس کا مقصد خواتین کی صحت کو بہتر بنانا اور حیض کے صحت مند انتظام کی فراہمی ہے۔

حمل کی صحت کی مہمات: حاملہ خواتین کے لیے خصوصی صحت کی مہمات چلائی جاتی ہیں، جن میں ویکسینیشن، غذائیت کی مشاورت، اور طبی جانچ شامل ہیں۔

بی جے پی حکومت نے گاؤں دیہات میں رہنے والی عورتوں کی فلاح و بہبود کے لیے متعدد اقدامات اور پروگرامز متعارف کروائے ہیں۔ ان اقدامات کا مقصد دیہی خواتین کو بہتر زندگی فراہم کرنا، ان کی معاشرتی اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانا، اور انھیں خودمختار بنانا ہے۔ یہاں کچھ اہم اقدامات کی تفصیل دی گئی ہے:

.1 پردھان منتری آواس یوجنا (PMAY): اس اسکیم کے تحت دیہی علاقوں میں رہائش کی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔ خواتین کو گھر بنانے کے لیے مالی مدد فراہم کی جاتی ہے، جس سے ان کی زندگی کے معیار میں بہتری آتی ہے۔

مہاتما گاندھی نریگا اسکیم: یہ اسکیم دیہی علاقوں میں ملازمت کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ اس اسکیم کے تحت خواتین کو روزگار ملتا ہے، جس سے ان کی اقتصادی حالت مضبوط ہوتی ہے۔

پردھان منتری جن دھن یوجنا: دیہی خواتین کو مالی شمولیت کے مواقع فراہم کرنے کے لیے بینک اکاؤنٹس کھولے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد خواتین کو مالی خودمختاری دینا ہے۔

دیہی صحت مشن: دیہی علاقوں میں خواتین کی صحت کی خدمات کو بہتر بنانے کے لیے مختلف پروگرامز چلائے جاتے ہیں۔ اس میں حاملہ خواتین کی طبی دیکھ بھال، ویکسینیشن، اور دیگر صحت کی خدمات شامل ہیں۔

سوادھی ناتھ یوجنا: اس اسکیم کے تحت دیہی علاقوں میں بنیادی سہولتوں کی فراہمی کے لیے پروجیکٹس چلائے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد دیہی خواتین کے لیے بنیادی صحت، تعلیم، اور رہائش کی سہولتیں فراہم کرنا ہے۔

دھان ویو یوجنا: دیہی علاقوں میں زراعتی کاموں کے لیے خواتین کو تربیت دی جاتی ہے اور مالی معاونت فراہم کی جاتی ہے۔ اس کا مقصد خواتین کو زراعت میں خودمختار بنانا ہے۔

کھادی اور ہاتھ کی صنعت کے لیے اسکیمیں: دیہی خواتین کو کھادی اور ہاتھ کی صنعت میں شامل کرنے کے لیے مختلف اسکیمیں متعارف کروائی گئی ہیں۔ ان اسکیموں کے تحت خواتین کو ہنرمند بنانے اور کاروباری مواقع فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ویمن اینڈ چائلڈ ڈویلپمنٹ پروگرامز: دیہی علاقوں میں خواتین اور بچوں کی فلاح و بہبود کے لیے مختلف پروگرامز چلائے جاتے ہیں۔ ان

پروگرامز میں تعلیم، صحت، اور غذائیت کے اقدامات شامل ہیں۔

یہ اقدامات بی جے پی حکومت کی طرف سے دیہی خواتین کی زندگیوں کو بہتر بنانے اور ان کی فلاح و بہبود کو فروغ دینے کے لیے کیے گئے ہیں۔ ان کا مقصد دیہی خواتین کو بہتر مواقع فراہم کرنا اور ان کی معاشرتی اور اقتصادی حالت کو مضبوط کرنا ہے۔ خواتین کے قانونی حقوق کے تحفظ اور فروغ کے لیے بی جے پی حکومت نے مختلف اقدامات اور قوانین متعارف کروائے ہیں۔ ان اقدامات کا مقصد خواتین کو قانونی تحفظ فراہم کرنا اور ان کے حقوق کو یقینی بنانا ہے، مثلاً:

قانون برائے خواتین کے خلاف تشدد (2013): یہ قانون خواتین کے خلاف تشدد کے مختلف واقعات کے خلاف سخت سزائیں فراہم کرتا ہے۔ اس قانون میں جنسی تشدد، ہراسانی، اور گھریلو تشدد کے خلاف تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔

گھریلو تشدد (تشویش) قانون (2005): اس قانون کے تحت خواتین کو گھریلو تشدد سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ قانون میں خواتین کو قانونی مدد، پناہ اور مالی معاونت فراہم کرنے کے لیے اقدامات شامل ہیں۔

جرم کی رپورٹنگ کے لیے ون اسٹاپ سینٹرز: خواتین کو جنسی تشدد اور دیگر جرائم کی رپورٹنگ کے لیے ون اسٹاپ سینٹرز فراہم کیے گئے ہیں۔ ان مراکز میں قانونی، طبی، اور نفسیاتی مدد فراہم کی جاتی ہے۔

قانونی خدمات کی فراہمی: بی جے پی حکومت نے قانونی خدمات کی فراہمی کے لیے مختلف اسکیمیں متعارف کروائی ہیں۔ ان اسکیموں کے تحت خواتین کو مفت قانونی مشاورت اور نمائندگی فراہم کی جاتی ہے۔

جرائم کی تیز سماعت کے لیے فاسٹ ٹریک عدالتیں: خواتین کے خلاف جرائم کی تیز سماعت کے لیے فاسٹ ٹریک عدالتیں قائم کی گئی ہیں۔ اس کا مقصد خواتین کے خلاف جرائم کے مقدمات کو جلدی حل کرنا ہے۔

پبلک پروسیکیوشن کی خصوصی عدالتیں: خواتین کے خلاف جرائم کے مقدمات کے لیے خصوصی پبلک پروسیکیوشن عدالتیں قائم کی گئی ہیں۔ ان عدالتوں کا مقصد خواتین کے کیسز کی تیز تر سماعت اور انصاف فراہم کرنا ہے۔

آگاہی اور تعلیم پروگرامز: خواتین کے قانونی حقوق کے بارے میں آگاہی پیدا کرنے کے لیے مختلف پروگرامز اور مہمات چلائی جاتی ہیں۔ ان پروگرامز کا مقصد خواتین کو ان کے قانونی حقوق اور تحفظات کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ہے۔

خواتین کے خلاف جرائم کی رپورٹنگ کے لیے ہیلپ لائنز: خواتین کے خلاف جرائم کی رپورٹنگ کے لیے مختلف ہیلپ لائنز قائم کی گئی ہیں۔ ان ہیلپ لائنز کے ذریعے خواتین کو فوری مدد فراہم کی جاتی ہے۔

وراثتی حقوق کے تحفظ کے لیے قوانین: خواتین کے وراثتی حقوق کو یقینی بنانے کے لیے مختلف قوانین اور اسکیمیں متعارف کروائی گئی ہیں۔ اس میں خواتین کو وراثت میں مساوی حقوق فراہم کیے جاتے ہیں۔

خواتین کی ملازمت کے حقوق: کام کی جگہ پر خواتین کے خلاف ہراسانی کی روک تھام کے لیے قوانین متعارف کروائے گئے ہیں۔ اس میں خواتین کو کام کی جگہ پر محفوظ ماحول فراہم کرنے کے اقدامات شامل ہیں۔

یہ تمام اقدامات بی جے پی حکومت کی طرف سے خواتین کے قانونی حقوق کے تحفظ اور فروغ کے لیے کیے گئے ہیں۔ ان کا مقصد خواتین کو قانونی تحفظ فراہم کرنا ہے، ان کے حقوق کا تحفظ کرنا اور انھیں انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔ نریندر مودی نے حال ہی میں خواتین کی اہمیت اور ان کی ترقی پر مختلف مواقع دیئے جانے پر زور دیا۔ انھوں نے جی 20 کے وزیرستانی کانفرنس برائے خواتین میں کہا:

> ''خواتین کی ترقی سے قوم کو طاقت ملتی ہے اور اس سے پورے ملک کی ترقی ہوتی ہے۔ خواتین کی خوشحالی دنیا کی خوشحالی ہے۔ خواتین کی تعلیم، اقتصادی ترقی اور قیادت دنیا کی ترقی کے لیے اہم ہیں۔ ہندوستان میں خواتین کی ایک بڑی تعداد مقامی انتظامیہ میں منتخب نمائندے کے طور پر کام کر رہی ہیں۔ ہندوستانی ثقافت میں خواتین کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی، جہاں انہیں دیوی کی حیثیت سے عزت دی جاتی ہے اور ان کے کردار کو معیشتی، سماجی اور روحانی ترقی میں اہم سمجھا جاتا ہے''

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سرکار کے یہ تمام اقدام خواتین کی تعمیر و ترقی کے لیے معاون و مددگار ثابت ہوئے ہیں، ظاہر ہے خواتین کے بغیر کسی بھی سماجی ڈھانچے کا تصور ممکن نہیں، آج کی عورت کا کردار گھر سے لے کر آفس تک دیکھا جا سکتا ہے ادب ہو یا فلمی دنیا، چاند ہو یا زمین، ٹیلی ویژن سے لے کر گھر کی چہار دیواری غرضکہ سماجی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی، ثقافتی، ادبی، علمی ہر ایک گوشے میں خواتین نے اپنی موجودگی اور اپنی خدمات کا اعتراف کرایا ہے۔

Dr. Saleha Siddiqui
267/2B Ward 24
Mohalla Newada Ashok Nagar
Prayagraj-211001 (U.P)

ڈاکٹر مسرت

ہندوستانی خواتین

سماجی، اقتصادی اور سیاسی تبدیلیاں

خلاصہ: یہ مضمون صنفی مساوات اور خواتین کی بااختیاری کے موضوع پر مبنی ہے، جو عالمی سطح پر سماجی اور معاشی ترقی کی منصوبہ بندی میں اہمیت رکھتا ہے۔ ہندوستان میں، روایتی صنفی کردار اور پدرانہ اصولوں کے دباؤ کے باوجود، صنفی مساوات کی تحریک اہم ہے، جو خواتین کے بااختیاری کی مختلف پہلوؤں کو بچانے اور معاشرے کی تعمیر کے لیے عملی اقدامات کی ضرورت کو سامنے رکھتا ہے۔ اس مضمون میں مختلف موضوعات جیسے معاشی بااختیاری، تعلیم، صحت، صنف پر مبنی تشدد اور ثقافتی تبدیلی کے زاویے پر تفصیل سے غور کیا گیا ہے۔ خواتین کی بااختیاری کے لیے محفوظ ماحول فراہم کرنا، قوانین کے نفاذ کو مضبوط بنانا، اور ثقافتی تبدیلی کے ذریعے سماجی رویے میں بنیادی تبدیلی لانا اس مقالے کے اہم نتائج ہیں۔ یہ مقالہ ان نکات کو واضح کرتا ہے کہ خواتین کی مکمل بااختیاری اور شرکت، اقتصادی ترقی، اور سماجی استحکام کی ترقی میں کتنا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس طرح، یہ مضمون صنفی مساوات کے حصول اور خواتین کی بااختیاری کے لیے معاشرتی، قانونی، اور سیاسی اقدامات کی ضرورت کو سامنے رکھتا ہے تاکہ ہندوستان میں ایک سے زیادہ عادل اور متعادل معاشرہ کی تعمیر ممکن ہو۔

صنفی مساوات اور خواتین کی بااختیاری نے عالمی سطح پر سماجی اور معاشی ترقی کی بحث میں ایک اہم مقام حاصل کر لیا ہے۔ دنیا بھر میں، بشمول ہندوستان، روایتی صنفی کردار اور پدرانہ اصول طویل عرصے سے معاشرتی ڈھانچے اور انفرادی زندگیوں کو متاثر کرتے آئے ہیں۔ ان بنیادی اصولوں کو چیلنج کرنا اور ایک سے زیادہ مساوی اور جامع معاشرے کی تعمیر کے لیے عملی اقدامات اٹھانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ہندوستان میں صنفی مساوات کی تحریک کا سفر پیچیدہ اور کثیر الجہتی ہے، جس میں مختلف سماجی، اقتصادی، اور ثقافتی چیلنجز شامل ہیں۔ اس تناظر میں، خواتین کی بااختیاری کا مطلب ہے کہ خواتین کو زندگی کے ہر شعبے میں مساوی مواقع، حقوق، اور احترام فراہم کیا جائے۔ اس کے لیے تعلیم، صحت، اقتصادی شراکت، حفاظت، اور ثقافتی تبدیلی جیسے مختلف پہلوؤں پر جامع نظر ڈالنا ضروری ہے۔ معاشی بااختیاری، صنفی مساوات کے لیے ایک مضبوط بنیاد ہے۔ جب خواتین کو مالی آزادی حاصل ہوتی ہے، تو وہ نہ صرف اپنی زندگی میں مثبت تبدیلیاں لا سکتی ہیں بلکہ وسیع تر معیشت میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ مالیاتی اداروں تک رسائی، کاروباری مواقع، اور مناسب اجرت جیسے عوامل خواتین کی مالیاتی خودمختاری کو فروغ دینے میں اہم ہیں۔ تعلیم اور صحت خواتین کی بااختیاری کے بنیادی ستون ہیں۔ معیاری تعلیم تک رسائی خواتین کو معاشی، سیاسی، اور سماجی شعبوں میں مکمل شرکت کے لیے ضروری علم اور مہارت سے آراستہ کرتی ہے۔ اسی طرح، صحت کی خدمات تک رسائی، بشمول تولیدی صحت، خواتین کو اپنی صحت اور بہبود کو برقرار رکھنے کے قابل بناتی ہے، جس سے معاشرے میں ان کی شراکت زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ خواتین کی بااختیاری کے لیے ایک محفوظ ماحول کی فراہمی بھی انتہائی ضروری ہے۔ صنف پر مبنی تشدد اور ہراسانی کے مسائل خواتین کی معاشرتی شرکت کی صلاحیت کو محدود کرتے ہیں۔ قوانین کے سخت نفاذ، حمایت کے مضبوط نظام، اور شعور کی بیداری کے ذریعے ان مسائل سے نمٹنا صنفی مساوات کے لیے ناگزیر ہے۔ خواتین کے بارے میں سماجی رویوں میں بنیادی تبدیلی کے بغیر حقیقی صنفی مساوات کا حصول ممکن نہیں۔ روایتی صنفی کردار اور دقیانوسی تصورات خواتین کی صلاحیت اور مواقع کو محدود کرتے ہیں۔ ایسی ثقافت کو فروغ دینا جو خواتین کی قدر اور احترام کرتی ہو، ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ خواتین کو بااختیار بنانا صرف ان کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے نہیں بلکہ پورے معاشرے کی مجموعی ترقی کے لیے بھی ضروری ہے۔ بااختیار خواتین معاشی ترقی، بہتر صحت اور تعلیم کے نتائج، اور سماجی استحکام میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ ایک مثبت

ڈاکٹر مسرت

ہندوستانی خواتین

سماجی، اقتصادی اور سیاسی تبدیلیاں

خلاصہ: یہ مضمون صنفی مساوات اور خواتین کی بااختیاری کے موضوع پر مبنی ہے، جو عالمی سطح پر سماجی اور معاشی ترقی کی منصوبہ بندی میں اہمیت رکھتا ہے۔ ہندوستان میں، روایتی صنفی کردار اور پدرانہ اصولوں کے دباؤ کے باوجود، صنفی مساوات کی تحریک اہم ہے، جو خواتین کے بااختیاری کی مختلف پہلوؤں کو بچانے اور معاشرے کی تعمیر کے لیے عملی اقدامات کی ضرورت کو سامنے رکھتا ہے۔ اس مضمون میں مختلف موضوعات جیسے معاشی بااختیاری، تعلیم، صحت، صنف پر مبنی تشدد اور ثقافتی تبدیلی کے زاویے پر تفصیل سے غور کیا گیا ہے۔ خواتین کی بااختیاری کے لیے محفوظ ماحول فراہم کرنا، قوانین کے نفاذ کو مضبوط بنانا، اور ثقافتی تبدیلی کے ذریعے سماجی رویے میں بنیادی تبدیلی لانا اس مقالے کے اہم نتائج ہیں۔ یہ مقالہ ان نکات کو واضح کرتا ہے کہ خواتین کی مکمل بااختیاری اور شرکت، اقتصادی ترقی، اور سماجی استحکام کی ترقی میں کتنا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس طرح، یہ مضمون صنفی مساوات کے حصول اور خواتین کی بااختیاری کے لیے معاشرتی، قانونی، اور سیاسی اقدامات کی ضرورت کو سامنے رکھتا ہے تاکہ ہندوستان میں ایک سے زیادہ عادل اور متعادل معاشرہ کی تعمیر ممکن ہو۔

صنفی مساوات اور خواتین کی بااختیاری نے عالمی سطح پر سماجی اور معاشی ترقی کی بحث میں ایک اہم مقام حاصل کر لیا ہے۔ دنیا بھر میں، بشمول ہندوستان، روایتی صنفی کردار اور پدرانہ اصول طویل عرصے سے معاشرتی ڈھانچے اور انفرادی زندگیوں کو متاثر کرتے آئے ہیں۔ ان بنیادی اصولوں کو چیلنج کرنا اور ایک سے زیادہ مساوی اور جامع معاشرے کی تعمیر کے لیے عملی اقدامات اٹھانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ہندوستان میں صنفی مساوات کی تحریک کا سفر پیچیدہ اور کثیر الجہتی ہے، جس میں مختلف سماجی، اقتصادی، اور ثقافتی چیلنجز شامل ہیں۔ اس تناظر میں، خواتین کی بااختیاری کا مطلب ہے کہ خواتین کو زندگی کے ہر شعبے میں مساوی مواقع، حقوق، اور احترام فراہم کیا جائے۔ اس کے لیے تعلیم، صحت، اقتصادی شراکت، حفاظت، اور ثقافتی تبدیلی جیسے مختلف پہلوؤں پر جامع نظر ڈالنا ضروری ہے۔ معاشی بااختیاری، صنفی مساوات کے لیے ایک مضبوط بنیاد ہے۔ جب خواتین کو مالی آزادی حاصل ہوتی ہے، تو وہ نہ صرف اپنی زندگی میں مثبت تبدیلیاں لا سکتی ہیں بلکہ وسیع تر معیشت میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ مالیاتی اداروں تک رسائی، کاروباری مواقع، اور مناسب اجرت جیسے عوامل خواتین کی مالیاتی خودمختاری کو فروغ دینے میں اہم ہیں۔ تعلیم اور صحت خواتین کی بااختیاری کے بنیادی ستون ہیں۔ معیاری تعلیم تک رسائی خواتین کو معاشی، سیاسی، اور سماجی شعبوں میں مکمل شرکت کے لیے ضروری علم اور مہارت سے آراستہ کرتی ہے۔ اسی طرح، صحت کی خدمات تک رسائی، بشمول تولیدی صحت، خواتین کو اپنی صحت اور بہبود کو برقرار رکھنے کے قابل بناتی ہے، جس سے معاشرے میں ان کی شراکت زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ خواتین کی بااختیاری کے لیے ایک محفوظ ماحول کی فراہمی بھی انتہائی ضروری ہے۔ صنف پر مبنی تشدد اور ہراسانی کے مسائل خواتین کی معاشرتی شرکت کی صلاحیت کو محدود کرتے ہیں۔ قوانین کے سخت نفاذ، حمایت کے مضبوط نظام، اور شعور کی بیداری کے ذریعے ان مسائل سے نمٹنا صنفی مساوات کے لیے ناگزیر ہے۔ خواتین کے بارے میں سماجی رویوں میں بنیادی تبدیلی کے بغیر حقیقی صنفی مساوات کا حصول ممکن نہیں۔ روایتی صنفی کردار اور دقیانوسی تصورات خواتین کی صلاحیت اور مواقع کو محدود کرتے ہیں۔ ایسی ثقافت کو فروغ دینا جو خواتین کی قدر اور احترام کرتی ہو، ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ خواتین کو بااختیار بنانا صرف ان کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے نہیں بلکہ پورے معاشرے کی مجموعی ترقی کے لیے بھی ضروری ہے۔ بااختیار خواتین معاشی ترقی، بہتر صحت اور تعلیم کے نتائج، اور سماجی استحکام میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ ایک مثبت

شراکتوں اور صلاحیتوں کو تسلیم کیا جا سکے۔ مختلف شعبوں میں خواتین کو قائدانہ کردار ادا کرنے کی حوصلہ افزائی کرنا اس ثقافتی تبدیلی کا ایک اہم پہلو ہے۔ قیادت کی پوزیشن میں خواتین رول ماڈل کے طور پر کام کر سکتی ہیں، دوسری خواتین اور لڑکیوں کو متاثر اور رہنمائی فراہم کر سکتی ہیں۔ اس سے نہ صرف انفرادی خواتین کو بااختیار بنانا ہے بلکہ صنفی مساوات اور شمولیت کی ثقافت کو بھی فروغ دینا ہے، جو سماجی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ خواتین کو بااختیار بنانا معاشرے کی مجموعی ترقی کے لیے دور رس اثرات مرتب کرتا ہے۔ جب خواتین کو بااختیار بنایا جاتا ہے، تو وہ معاشی ترقی، بہتر صحت اور تعلیم کے نتائج، اور سماجی استحکام میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ مالی طور پر آزاد خواتین اپنے خاندانوں اور کمیونٹیز میں سرمایہ کاری کر سکتی ہیں، جس سے زندگی کے معیار میں بہتری آتی ہے۔ خواتین میں بہتر صحت اور تعلیم کے نتائج معاشرے کو مجموعی طور پر فائدہ پہنچاتے ہیں۔ تعلیم یافتہ اور صحت مند خواتین بہتر فیصلے کرنے، اپنے بچوں کی تعلیم میں مدد کرنے، اور کمیونٹی کی فلاح و بہبود میں حصہ لینے کے قابل ہوتی ہیں۔ یہ ترقی کا ایک صحت مند ، زیادہ تعلیم یافتہ اور خوشحال معاشرے کو فروغ دیتی ہے۔ اس سلسلے میں سابق صدر براک اوباما نے کہا ہے کہ ''کوئی بھی ملک اس وقت تک اپنی پوری صلاحیت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس کی خواتین اور لڑکیاں مکمل طور پر بااختیار نہ ہوں''۔ اقوام متحدہ کے سابق سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے کہا" صنفی مساوات صرف ایک خواتین کا مسئلہ نہیں ہے؛ یہ ترقی کا مسئلہ ہے"۔ معروف بھارتی کارکن کرن بیدی نے کہا"، جب خواتین بااختیار ہوتی ہیں، تو پورے معاشرے کو فائدہ ہوتا ہے۔"

خواتین کی سیاسی اور کمیونٹی قیادت میں فعال شرکت زیادہ جامع اور موثر طرز حکمرانی کا باعث بنتی ہے۔ جب خواتین فیصلہ سازی کے عمل میں شامل ہوتی ہیں تو پالیسیاں اور پروگرام تمام شہریوں کی ضروریات اور حقوق کو زیادہ احتمال سے پورا کرتے ہیں۔ یہ شمولیت سماجی استحکام اور امن کو بڑھاتی ہے، کیونکہ مختلف نقطہ نظر سے زیادہ متوازن اور مساوی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اہم پیش رفت کے باوجود، ہندوستان میں صنفی مساوات کے حصول میں کئی چیلنجز رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ سماجی اصول اور دقیانوسی تصورات، تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال تک رسائی کی کمی، معاشی رکاوٹیں، اور حفاظتی خدشات بڑی رکاوٹیں ہیں۔ ان چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے معاشرے کے تمام شعبوں، بشمول حکومت، نجی شعبے، اور سول سوسائٹی کی مشترکہ کوششوں کی ضرورت ہے۔ تعلیمی اور آگاہی مہمات سماجی رویوں کو تبدیل کرنے اور صنفی مساوات کو فروغ دینے کے لیے اہم ہیں۔ خواتین کے حقوق کے تحفظ اور ان کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے قانونی اور پالیسی فریم ورک کو مضبوط اور مؤثر طریقے سے نافذ کرنا ضروری ہے۔ معاشی پالیسیوں کو تمام شعبوں میں خواتین کے لیے مواقع پیدا کرنے، مہارت کی تربیت تک رسائی فراہم کرنے اور کاروباری صلاحیت کو فروغ دینے پر توجہ دینی چاہیے۔ عالمی بہترین طریقوں سے بین الاقوامی تعاون اور سیکھنے سے خواتین کی بااختیاری کی کوششوں کو بھی بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ علم اور تجربات کا اشتراک عام چیلنجوں سے نمٹنے اور مقامی تناظر کے مطابق جدید حل کو فروغ دینے میں مدد کر سکتا ہے۔ خواتین کی بااختیاری اور صنفی مساوات معاشرے کی مجموعی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ خواتین کو معاشی، تعلیمی، صحت، اور سماجی طور پر بااختیار بنانا پائیدار ترقی اور خوشحالی کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔ خواتین کی بااختیاری معاشی ترقی، بہتر صحت اور تعلیم کے نتائج، سماجی استحکام، اور زیادہ جامع طرز حکمرانی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تاہم، ہندوستان میں صنفی مساوات کے حصول کے لیے درپیش چیلنجز کو حل کرنے کے لیے ایک جامع اور کثیر الجہتی نقطہ نظر کی ضرورت ہے۔ مضبوط قانونی فریم ورک، سماجی تبدیلی کے اقدامات، اور پالیسیوں میں صنفی حساسیت شامل کرنے والی مربوط حکمت عملی صنفی مساوات کے لیے ایک سے زیادہ مساوی اور جامع مستقبل کی راہ ہموار کر سکتی ہے۔ مشترکہ کوششوں اور عزم کے ساتھ، ہندوستان ایک ایسا معاشرہ بن سکتا ہے جہاں ہر عورت کو اپنی مکمل صلاحیت حاصل کرنے کا موقع ملے۔ آخر میں تمام تجزیاتی مطالعات کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ معاشی بااختیاری صنفی مساوات کی بنیاد ہے۔ ہندوستان میں خواتین کی مالی آزادی متعدد رکاوٹوں پر قابو پانے سے مشروط ہے، جن میں تعلیم تک رسائی، ہنر کی ترقی، اور مالی وسائل شامل ہیں۔ خواتین کی لیبر فورس میں شرکت بڑھانے سے جی ڈی پی میں اضافہ اور معاشی ترقی ممکن ہے۔ معاشی طور پر بااختیار خواتین اپنے خاندانوں کی صحت اور تعلیم میں سرمایہ کاری کرنے کا زیادہ امکان رکھتی ہیں، جس سے مستقبل کی نسلوں کے لیے بہتر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ تعلیم اور صحت خواتین کی بااختیاری کے بنیادی ستون ہیں۔ معیاری تعلیم تک رسائی خواتین کو معاشی، سیاسی، اور سماجی شعبوں میں مکمل شرکت کے لیے ضروری علم اور مہارت سے آراستہ کرتی ہے۔ صحت کی خدمات، خاص طور پر تولیدی صحت، خواتین کو اپنی صحت اور بہبود کو برقرار رکھنے کے قابل بناتی ہیں۔ صحت مند خواتین اپنے خاندانوں اور کمیونٹیز میں بہتر کردار ادا

کرسکتی ہیں، جس سے صحت اور پیداواری صلاحیت کا مثبت سلسلہ بنتا ہے۔خواتین کی بااختیاری کے لیے ایک محفوظ ماحول ایک لازمی شرط ہے۔صنف پر مبنی تشدد اور ہراسانی کے مسائل خواتین کی معاشرے میں مکمل شرکت کی صلاحیت کو روکتے ہیں۔ ان مسائل سے نمٹنے کے لیے قوانین کا سخت نفاذ اور تشدد کے شکار افراد کے لیے ایک مضبوط معاون نظام کی ضرورت ہے۔ قانونی تحفظات اور حقوق کے بارے میں آ گاہی اس بات کو یقینی بنانے میں اہم ہیں کہ خواتین خوف کے بغیر زندگی گزار سکیں اور اپنے عزائم کا تعاقب کرسکیں۔خواتین کے بارے میں سماجی رویوں میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ روایتی صنفی کردار اور دقیانوسی تصورات اکثر خواتین کی صلاحیت اور مواقع کو محدود کرتے ہیں۔ ایسی ثقافت کوفروغ دینا جوخواتین کی قدر اور احترام کرتی ہو، ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ قیادت کی پوزیشن میں خواتین رول ماڈل کے طور پر کام کرسکتی ہیں، دوسری خواتین اور لڑکیوں کو متاثر اور رہنمائی فراہم کرسکتی ہیں۔خواتین کی سیاسی اور کمیونٹی قیادت میں فعال شرکت زیادہ جامع اور موثر طرز حکمرانی کا باعث بنتی ہے۔ جب خواتین فیصلہ سازی کے عمل میں شامل ہوتی ہیں تو پالیسیاں اور پروگرام تمام شہریوں کی ضروریات اور حقوق کو زیادہ احتمال سے پورا کرتے ہیں۔ یہ شمولیت سماجی استحکام اور امن کو بڑھاتی ہے، کیونکہ مختلف نقطہ نظر سے زیادہ متوازن اور مساوی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔اہم پیش رفت کے باوجود، ہندوستان میں صنفی مساوات کے حصول میں کئی چیلنجز رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ سماجی اصول اور دقیانوسی تصورات، تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال تک رسائی کی کمی، معاشی رکاوٹیں، اور حفاظتی خدشات بڑی رکاوٹیں ہیں۔ ان چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے معاشرے کے تمام شعبوں، بشمول حکومت، نجی شعبے، اور سول سوسائٹی کی مشترکہ کوششوں کی ضرورت ہے۔

خواتین کی بااختیاری اور صنفی مساوات معاشرے کی مجموعی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔خواتین کو معاشی، تعلیمی، صحت، اور سماجی طور پر بااختیار بنانا پائیدار ترقی اور خوشحالی کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔خواتین کی بااختیاری معاشی ترقی، بہتر صحت اور تعلیم کے نتائج، سماجی استحکام، اور جامع حکمرانی کا باعث بنتی ہے۔ اس وژن کو حقیقت بنانے کے لیے خواتین کی بااختیاری میں رکاوٹ بننے والے چیلنجوں سے نمٹنا اور ایک ایسی سماجی ثقافت کوفروغ دینا ضروری ہے جوخواتین کی قدر اور احترام کرتی ہو۔ ایسا کرنے سے، ہم ایک سے زیادہ مساوی اور خوشحال معاشرے کی تعمیر کرسکتے ہیں، جہاں ہر ایک کو ترقی کرنے کا موقع ملے۔خواتین کی کامیابیوں اور شراکتوں کو تسلیم کرنے اور منانے کی طرف ثقافتی تبدیلی کو فروغ دینا بھی ضروری ہے۔مختلف شعبوں میں خواتین کی کامیابی کو اجاگر کرنا دوسری خواتین کو متاثر اور ان کی حوصلہ افزائی کرسکتا ہے، اور اس پیغام کو تقویت دے سکتا ہے کہ خواتین تمام شعبوں میں کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔ ایسی سماجی مہمات جو صنفی مساوات اور خواتین کے احترام کو فروغ دیتی ہیں، سماجی رویوں کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خواتین کی بااختیاری اور صنفی مساوات ہندوستان کی سماجی اور معاشی ترقی کے لیے کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔ معاشی، تعلیمی، صحت، حفاظت، اور ثقافتی تبدیلی کے شعبوں میں جامع اقدامات کے ذریعے ہم ایک بہتر اور منصفانہ معاشرے کی تشکیل کرسکتے ہیں۔خواتین کی بااختیاری کے بغیر، کسی بھی معاشرے کی مکمل ترقی ممکن نہیں ہوسکتی۔

حوالہ جات

1. "Women and Social Change in India", Leela Dube, Vistaar Publications, New Delhi 1990.
2. "Gender and Development in India", Maya Unnithan-Kumar, Zed Books publisher, London, 2001.
3. "The Power of Women", Amartya Sen, Penguin Books, London, 2009.
4. "Education for Women Empowerment", K. Saradamoni , Gyan Publishing House , New Delhi , 2004.
5. "Economic Empowerment of Women in India", Raj Kumar Sen, Deep & Deep Publications, New Delhi, 2005.
6. "Women's Health in India: Risk and Vulnerability", I. C. Verma, Rawat Publications, Jaipur, 2002.
7. "Gender and Politics in India", Nivedita Menon, Oxford University Press, New Delhi,1999.
8. "The Status of Women in India", Usha Sharma, Mittal Publications, New Delhi, 2006.
9. "Feminism and Gender Equality", Nalini Visvanathan, Zubaan Books.New Delhi, 2008.
10. "Women's Education in India: A Historical Perspective", Jyotsna Jha, NBT India, New Delhi, 2012.

□□□

Dr. Musarrat

New Delhi

رانی حفیظ

خواتین کی تعلیم

نئی تعلیمی پالیسی کے پس منظر میں

تعلیم انسانوں کے درمیان ہر لحاظ سے امتیازی شناخت اور خصوصی مقام حاصل کرنے کا بنیادی اور اہم ذریعہ ہے اس حقیقت سے تو کسی بھی اہل خرد کو انکار ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ کسی بھی ملک، قوم یا معاشرے کے لیے ترقی اس وقت تک ممکن ہی نہیں ہے جب تک کہ تعلیمی نظام کو درست اور مضبوط نہ کیا جائے۔ تعلیم ہی درحقیقت خوشحالی اور کامیابی کی ضامن ہے۔ یہی تعلیم مختلف قوموں کی ترقی اور زوال کی سب سے اہم وجہ قرار دی جاتی ہے تعلیم حاصل کرنے کا مطلب صرف اسکول، کالج یونیورسٹی سے کوئی ڈگری لینا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تمیز وتہذیب سیکھنا بھی شامل ہے تاکہ انسان اپنی معاشرتی روایات اور اقتدار کا خیال رکھ سکے۔

تعلیم وہ زیور ہے جو انسان کا کردار سنوارتی ہے پوری دنیا میں کوئی بھی چیز دیکھی جائے تو بانٹنے سے کم ہوتی ہے مگر تعلیم ایک واحد ایسی دولت ہے جو بانٹنے سے بڑھتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہ ملک اور قومیں جو اپنے تعلیمی نظام کی ترقی اور بقا کے لیے ٹھوس اقدامات نہیں کرتی ہیں ان کو اس دنیا میں بہت زیادہ عروج واستحکام حاصل نہیں ہوسکتا بالخصوص خواتین کی تعلیم پر توجہ دیئے بغیر ایک محکم اور مضبوط معاشرے کا قیام عمل میں آنا ممکن ہی نہیں ہے لہٰذا عصر حاضر میں صرف تعلیم پر ہی نہیں بلکہ خواتین کی تعلیم پر سب سے زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے تاکہ اپنے ملک ہندوستان کو دیگر ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں سرفہرست رکھا جا سکے اور ہندوستانی قوم بھی دیگر اقوام کے شانہ بہ شانہ چلتے ہوئے فخر وافتخار محسوس کر سکے۔ نئی تعلیمی پالیسی اور خواتین کی تعلیم سے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے بہتر یہ ہے کہ ہم پہلے تعلیم نسواں کے درست معنی اور مفہوم کے متعلق آگاہی حاصل کرلیں۔

''تعلیم نسواں''، یعنی عورتوں کی تعلیم یہ دو الفاظ کا مرکب ہے یعنی تعلیم اور نسواں، تعلیم کا مطلب جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں ''علم حاصل کرنا'' اور نسواں ''نسا'' سے ہے جس کا مطلب ہے عورتیں۔ گویا تعلیم نسواں سے مراد عورتوں کی تعلیم حاصل کرنے سے ہے جو عصر حاضر میں ایک بہت ہی اہم موضوع بن گیا ہے۔ جیسا کہ ہم باخبر ہیں کہ آج دنیا نہایت ہی تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کے منازل طے کر رہی ہے ہر پل تیزی سے اپنائے ہوئے پرانے رنگ کو چھوڑ کر دوسرے رنگ اختیار کر لیتی ہے پل پل تبدیل ہوتے ہوئے اس ماحول میں خواتین کی باقاعدہ اور باضابطہ تعلیم کی ضرورت اور اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال خاتون ہی اس پل پل بدلتے ہوئے نئے ماحول سے مطابقت اور ذہنی ہم آہنگی پیدا کر سکتی ہے اور نہ صرف اپنی ذاتی زندگی کو سنوار سکتی ہے بلکہ اپنا مافی الضمیر کا درست اور بروقت اظہار کرتے ہوئے اس کو بڑی ہی آسانی اور سلیقے کے ساتھ لوگوں تک پہنچا بھی سکتی ہے۔ ہم بغیر خواتین کو تعلیم دلائے ایک صحت مند معاشرے کو وجود میں لانے کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں کر سکتے ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ بغیر تعلیم نسواں کہ ہم اپنے ملک کو مضبوط و مستحکم نہیں بنا سکتے ہیں، اور نہ ہی عالمی سطح پر کسی میدان میں کوئی ناقابل فراموش کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ ہم سب اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ ایک تعلیم یافتہ خاتون کئی نسلوں کو تعلیم یافتہ بنا سکتی ہے اور یہ تعلیم کی بے پناہ افادیت واہمیت ہی ہے کہ مذہب اسلام میں تعلیم کو بغیر کسی

تفریق کے مرد اور عورت دونوں پر فرض کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی مسلم خواتین میں تعلیم کی شرح بہت ہی کم دکھائی دیتی ہے جس کے سبب بہت سے تکلیف دہ نتائج کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے، بہرحال یہ ایک الگ موضوع ہے۔

اگر خواتین کے بنیادی حقوق کی بات کی جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان کا سب سے پہلا اور بنیادی حق تعلیم حاصل کرنا ہے اور اگر انھیں ان کے اس حق سے محروم رکھا جاتا ہے تو گویا ان کے ساتھ ظلم کیا جاتا ہے۔ کسی بھی ملک کی سماجی تبدیلی کی رفتار کو تیز بنانے میں اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کا طبقہ بہترین رول ادا کر سکتا ہے اور ماضی میں کرتا بھی رہا ہے ہمارے ملک ہندوستان میں ابتدا ہی سے خواتین کی تعلیم کی اہمیت کو نظر انداز کیے جانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے اور ان کو گھر کی چار دیواری تک ہی محدود و محصور رکھنا ضروری سمجھا گیا ہے ان کو تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونا گویا ایک گناہ تصور کیا جاتا تھا لیکن ملک کے کچھ حساس اور دانشور لوگوں نے اس پر خاص توجہ صرف کی اور عورتوں کی تعلیم کے لیے کئی اہم قدم اٹھائے۔ آہستہ آہستہ خواتین نے بھی اپنی توجہ مبذول کی اور تعلیمی میدان میں آگے آنے لگیں۔ آزادی سے لے کر اب تک ملک میں خواتین کی تعلیم کے حوالے سے بہت سے سنجیدہ اور قابل ذکر اقدامات کیے گئے ہیں۔ مرکزی اور ریاستی دونوں ہی سطح پر عورتوں کی تعلیم سے متعلق بہت سی پالیسیز بنائی گئیں۔ تمام مرکزی اور ریاستی حکومتوں کا بنیادی مقصد ملک میں عورتوں کی شرح خواندگی کو بہتر بنانا ہے اس کے لیے وقتاً فوقتاً اقتدار میں آنے والی حکومتوں کی جانب سے بہت سی تعلیمی پالیسی بھی بنائی جاتی رہی ہیں۔ شروع سے اب تک کی تقریباً تمام تعلیمی منصوبوں میں خواتین کی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ صرف کی گئی ہے، اگر ہم آزادی کے بعد خواتین کی شرح خواندگی پر نظر ڈالیں تو اس میں حیرت انگیز حد تک اضافہ ہوا ہے ملک بھر کی الگ الگ ریاستی حکومتوں کی طرف سے خواتین کی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے مختلف اسکیمیں چلائی گئیں ہیں اور اب بھی ان کی فلاح و بہبود کے لیے حکومت ہند کی جانب سے چلائی جا رہی ہیں جن کی مدد سے خواتین کی تعلیمی شرح میں خاصا اضافہ دیکھنے کو مل رہا ہے اور آئندہ بھی اس بات کی قوی امید ہے کہ خواتین کے تعلیمی حوالے سے حالات مزید بہتر ہوں گے اور یہاں کی خواتین بھی ترقی کے میدان میں دوسرے ملکوں کی خواتین کے شانہ بہ شانہ چلنے کے قابل ہو سکیں گی۔

NEP-2020 کی تعلیمی پالیسی کی بات کی جائے تو بھی پتہ چلتا ہے کہ اس میں طلبہ کی ہمہ جہت تعلیمی ترقی اور نشوونما کے لیے نصاب میں ریاضی کے ساتھ ساتھ بنیادی فنون دست کاری، ادب تاریخ، فلسفہ، لسانیات، کھیل کود، زبان، ثقافت اور اقدار کو لازمی طور پر شامل کیا جائے گا اس کے علاوہ تعلیم کے ساتھ ساتھ کردار سازی کی تعلیم بھی ضروری ہے اس جانب بھی توجہ مرکوز کی گئی ہے اس قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ اکیسویں صدی کی پہلی تعلیمی پالیسی ہے جس کا ہدف ہمارے ملک کی ترقی کے لیے لازمی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے تا کہ ہم تیزی کے ساتھ تبدیل ہوتے ہوئے سماج کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکیں۔

نئی تعلیمی پالیسی کے مقاصد:

نئی قومی تعلیمی پالیسی کی ایک اور بنیادی اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بچوں کو ہندستانی ثقافت سے جوڑنا، نظم و ضبط سکھانا اور بچوں کو با اختیار بنانا، تعلیمی پالیسی کو شفاف بنانا، معیاری تعلیم کو فروغ دینا، قومی تعلیمی پالیسی سے ملک کے تعلیمی نظام کو مزید مضبوط و طاقتور بنانا، طلبہ کی بہترین ذہنی نشوونما اور ان کی صلاحیت و لیاقت میں مزید نکھار پیدا کرنا، دنیا کے تمام ممالک تعلیمی پالیسی پر زور دیتے ہیں۔ تعلیمی پالیسیوں کے نتائج اور سماجی و معاشی ترقی پر ان کے اثرات پر توجہ دینے کے لیے عالمی سطح پر دنیا بھر کی حکومتوں کو غور کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تا کہ ترقی کے میدان میں سب لوگوں کو برابر مواقع حاصل ہو سکیں۔

نئی قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں دیگر تعلیمی منصوبوں کے مقابلے اس میں خواتین کی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کی سفارش کے مطابق سرکار کے ذریعے ایک صنف شمولیاتی فنڈ حکومت ہند کے ذریعہ قائم کیا جائے گا جس کا مقصد تمام خواتین کو معیاری اور یکساں تعلیم فراہم کرنا ہوگا اس کے علاوہ اس پالیسی میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ ہر سطح پر خواتین کی ضروریات اور وقت کے تقاضوں کے پیش نظر نیا نصاب ترتیب دیا جائے گا تا کہ انھیں ملک میں ترقی اور کامیابی کے یکساں مواقع فراہم ہو سکیں حالانکہ اس سچائی سے بھی منہ نہیں موڑا جا سکتا ہے لیکن اس نئی پالیسی کو درست طریقے سے عمل میں لایا جائے تو یقیناً اس سے ہمارے ملک کو ترقی کے نئے مواقع فراہم ہوں گے اور ملک میں رہنے والا ہر طبقہ بغیر کسی تفریق اور امتیاز کے ترقی کی شاہراہوں پر گامزن ہو سکے گا۔

□□□

Rani Hafeez

Research Scholar Arabic & Persian Department

University ot Allahabad

Prayagraj-211002 (U.P)

Email:ranihafeez123@gmail.com

ناہیدہ شفیع

خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے حکومت ہند کے منصوبے

گزشتہ نو برسوں میں حکومت ہند نے خواتین کی فلاح و بہبود اور اس کے حقوق کے تحفظ کے لیے متعدد اقدامات اٹھائے ہیں۔ جن کا ذکر مندرجہ ذیل ہیں:

بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ اسکیم ایک ایسا منصوبہ ہے جس کا مقصد خواتین اور بچیوں کے حوالہ سے بیداری اور دفاہی خدمات کی فراہمی میں ترقی لانا ہے۔ اس اسکیم کا آغاز وزیر اعظم نریندر مودی نے 22 جنوری 2015 کو پانی پت ہریانہ میں کیا۔ اس اسکیم کے شروع ہونے کے بعد سے ثانوی تعلیم میں لڑکیوں کا داخلہ 2014 ۔15 میں 75.51 فیصد سے بڑھ کر 2020-21 میں 79.46 فیصد ہو گیا ہے، جو نمایاں پیش رفت کو ظاہر کرتا ہے۔

اسٹینڈ اپ انڈیا اسکیم کا بنیادی مقصد خواتین میں بزنس، تجارت کے رجحان کو بڑھاوا دینا ہے۔ اس اسکیم کے تحت خواتین اور پسماندہ طبقے والی آبادی کو بینک کے قرضے کی سہولیت دی جاتی ہے۔ جس میں 10 لاکھ سے 100 لاکھ کا قرض دیا جا سکتا ہے۔

ملک بھر میں خواتین اور بچوں کی ترقی کی وزارت نے ون اسٹاپ سینٹر (او ایس سی) نے ''استری منورکشا'' نامی پروجیکٹ کے تحت بنیادی اور جدید تربیت فراہم کرنے کے لیے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف مینٹل ہیلتھ اینڈ نیورو سائنس (این آئی ایم ایچ اے این ایس) کی خدمات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس اسکیم کو ''سکھی نیواس'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس اسکیم کا مقصد نجی اور عوامی مقامات، خاندان برادری اور او ایس سی کام کی جگہ تشدد زدہ خواتین کی حمایت کرنا ہے۔ جس میں ہنگامی ردعمل اور بچاؤ خدمات، طبی معاونت، قانونی امداد اور مشاورت، نفسیاتی اور سماجی معاونت اور مشاورت، عارضی پناہ، پولیس معاونت، ویڈیو کانفرنسنگ سہولیات جیسی خدمات شامل ہیں۔

حکومت ہند نے خواتین کے ہنگامی اور غیر ہنگامی امداد کے لیے ایک ٹول فری خواتین کی ہیلپ لائن (181) فراہم کی ہے۔ حکومت ہند نے نربھیا فنڈ کے توسط سے خواتین کے لیے مختلف اسکیمیں اور متعدد منصوبے بنائے ہیں۔ جس میں خواتین کے لیے ایمرجنسی رسپانس سپورٹ سسٹم (ای آر ایس ایس) شامل ہے۔ یہ پین۔ انڈیا سنگل نمبر (112) ہنگامی حالات کے لیے موبائل ایپ پر مبنی نظام ہے۔ اس میں فحش مواد کی اطلاع دینے کے لیے سائبر کرائم رپورٹنگ پورٹل بنائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سیف سیٹی پروجیکٹس جو کہ آٹھ شہروں دہلی، ممبئی، حیدر آباد، بنگلورو، احمد آباد، لکھنو، کولکتہ اور چنئی جیسے شہر شامل ہے۔ جس میں انفراسٹرکچر، بیداری پروگراموں اور ٹیکنالوجی کو اپنانا، تفتیشی افسران، پراسیکوشن افسران اور میڈیکل کے لیے تربیت اور ہنرمندی کی ترقی کے پروگراموں کے توسط سے کمیونٹی میں صلاحیت کی تعمیر جیسے منصوبے شامل

ہیں۔ مرکز ر ریاستوں کے زیر انتظام علاقوں میں جنسی حملوں کے ثبوت جمع کرنے (ایس اے ای سی) کے لیے کٹس کی تقسیم، سی ایف ایس ایل، چنڈی گڑھ میں اسٹیٹ آف آرٹ ڈی این اے لیبارٹری کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ملک کی 24 ریاستوں میں فرانزک سائنس لیبارٹریوں کو مضبوط بنانے کا عمل جس میں خصوصی (پی او سی ایس او)، ای پی او سی ایس او، عدالتیں، پولیس اسٹیشنوں میں خواتین کے لیے ہیلپ ڈیسک (ڈبلیو ای ڈیز) جیسے اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ عورتوں کے خلاف جرائم کی روک تھام اور تفتیش کے مقصد کے لیے ''ویمنز سیفٹی اینڈ سیکورٹی۔ اے ہینڈ بک فارفسٹ ریسپانڈرز اینڈ انویسٹی گیٹرز ان دی پولیس'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی گئی ہے جس میں خصوصی طور پر جنسی زیادتی کے جرم کی روک تھام کے حوالے سے لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ خواتین کی حفاظت، پولیس اہلکاروں کی صنفی حساسیت وغیرہ کے بارے میں بی پی آر اینڈ ڈی کی جانب سے حساسیت کے ساتھ ویبینار بھی منعقد کیے گئے ہیں۔

مہیلا شکتی کیندر یا خواتین کے لیے مخصوص ایک ایسا سینٹر ہے جس میں خواتین کی فلاح و بہبودی اوران کے لیے اٹھائے گئے اقدامات کے حوالے سے جانکاری دی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا منصوبے کے مثبت نتائج کے عملے میں حکومت کی طرف سے نیشنل فیملی ہیلتھ سروے۔5 (این ایف ایچ ایس 5) سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتوں سالوں میں (این ایف ایچ ایس۔4) کے مقابلے میں بہتر دکھائی دیتی ہے۔ آج 78.6 فیصد سے زیادہ خواتین بینک اکاونٹس کی مالک ہیں، جو وہ خود استعمال کرتی ہیں۔ ہمارے ملک میں لگ بھگ آج 54 فیصد خواتین کے پاس موبائل فون ہے جو وہ خود استعمال کرتی ہیں۔ اسی طرح موجودہ وقت میں 43 فیصد خواتین کے پاس اپنا گھر ہے۔

ملک کے اعلیٰ سیاسی و دفاتر میں خواتین کو بااختیار بنانے اوران کی نمائندگی کے لیے 28 ستمبر 2023 کو حکومت کی جانب سے ناری شکتی وندن ادھینیم 2023 (106 ویں آئینی ترمیم) ایکٹ، 2023 کا نوٹیفکیشن کے تحت لوک سبھا اور قومی راجدھانی خطہ دہلی کی این سی ٹی کی قانون ساز اسمبلی سمیت ریاست قانون ساز اسمبلیوں میں خواتین کے لیے ایک تہائی نشستیں ریزرو کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ سائنس، ٹیکنالوجی، انجینیرنگ اور ریاضی (ایس ٹی ای ایم) میں خواتین کی شراکت بڑھانے کے لیے اقدامات کیے گئے ہیں۔

وگیان جیوتی اسکیم کو حکومت نے 2020 میں شروع کیا۔ جس میں نویں سے بارھویں کلاس تک سائنس اور ٹیکنالوجی کے مختلف اسٹریمز میں لڑکیوں کی کم نمائندگی کو متوازن کیا جا سکے۔ اوور سیز فیلوشپ اسکیم (18-2017) کے تحت ہندوستانی خواتین سائنسدانوں اور تکنیکی ماہرین کو ایس ٹی ای ایم میں بین الاقوامی تعاون پر مبنی تحقیق کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے ہیں، اس کے ذریعے کئی خواتین سائنسدانوں نے ہندوستان کے پہلے مارس آربیٹر مشن (ایم او ایم) یا منگلیاں میں اہم رول ادا کیا ہے، جس میں اسپیس ایپلیکیشن سینٹر میں سائنسی آلات کی تعمیر اور جانچ بھی شامل ہے۔

حکومت ہند نے خواتین کی ترقی اوران کو روزگار فراہم کرانے کے لیے حال ہی میں نافذ کردہ لیبر کاڑز میں باضابطہ اجرت 2019، صنعتی تعلقات کا ضابطہ 2020، پیشہ ورانہ تحفظ، صحت اور کام کے حالات کا ضابطہ 2020 اور سماجی تحفظ کا ضابطہ 2020، خواتین کارکنوں کے لیے کام کا سازگار ماحول پیدا کرنے کے لیے بھی متعدد قابل عمل دفعات کو شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح حکومت ہند نے خواتین کی ایک بڑی تعداد کو آپریٹیو میں مصروف ہو کر اناج کی پروسیسنگ، روپائی والی فصلوں، تیل کے بیجوں کی پروسیسنگ، ماہی پروری، اسپنگ ملز، ڈیری اور مویشیوں، ہینڈلوم اور بنائی کے لیے پاور لوم، انٹیگریٹڈ کوآپریٹو ڈویلپمنٹ پروجیکٹس نیشنل کوآپریٹو ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے تحت کام کر رہی ہیں۔

❑❑❑

Naheeda Shafi

Research Scholar

Delhi University

Delhi-110007

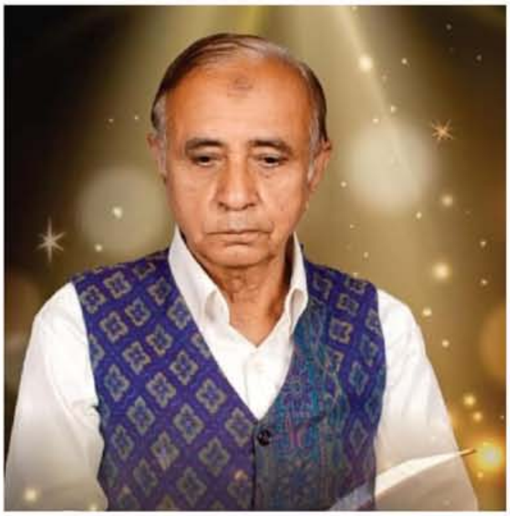

ڈاکٹر پروین شجاعت

سہیل کاکوروی

شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

اودھ کے زرخیز خطۂ زمین میں یہاں کے قصبات کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ان قصبات میں ہر دور میں ایسے ایسے لاتعداد علما و فضلا، شعرا و ادبا پیدا ہوئے جنھوں نے دنیائے علم و ادب کو تابانی بخش کر خود بھی شہرت اور مقبولیت حاصل کی اور وطن کے وقار میں بھی اضافہ کرتے رہے۔

انھیں قصبات میں ایک قصبہ کاکوری بھی ہے جس کی خاک سے ایسے ایسے غواص اٹھے جن کے لیے تمام آشوبِ سمندر بھی ایک جوئے پایاب کا درجہ رکھتے ہیں۔اس قصبہ کی فضا میں روحانیت اور تصوف گھلا ہوا ہے۔ یہ قصبہ اپنی علمی، مذہبی اور سماجی روایات میں ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں اگر کاکوری کا ذکر کیا جائے تو اس طرح ہوگا:

اس خاک سے اٹھے ہیں وہ غواص معانی
ہے جس کے لیے بحرِ پُرآشوب بھی پایاب

قصبہ کاکوری کا شمار اودھ کے نامور اور ممتاز قصبوں میں سے ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس قصبہ نے بیشمار درویش، عالم، حکیم، ادیب و شاعر پید اکیے جنھوں نے اپنی قابلیت سے اس کی شہرت دور دور تک پھیلا دی۔جس طرح یہ قصبہ آج اپنے کبابوں کے لیے مشہور ہے اسی طرح معرفت اور علم و فضل کے لیے بھی شہرت رکھتا ہے۔ اردو تہذیب کی تعمیر اور تحفظ میں کاکوری، سندیلہ، ملیح آباد وغیرہ قصبات نے ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ یہ تہذیب جو ان قصبات میں پیدا ہوئی اور پلی بڑھی وہ کسی خاص طبقہ اور مذہب سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ اس تہذیب کی پرورش اور پرداخت میں اردو زبان اور شعر و ادب کلیدی استعاروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سہیل کاکوروی کا تعلق بھی قصبات میں پروردہ اسی تہذیب سے ہے۔ چونکہ ان کے خانوادے کا تعلق کاکوری سے ہے مگر پیدائش اور پرورش لکھنؤ میں ہوئی اس لیے ان کی شخصیت میں کاکوروی کا تصوف اور روحانیت اور لکھنؤ کی تہذیب، نزاکت، رواداری اور وضع داری کا بہترین امتزاج ملتا ہے۔ لکھنؤ کی ادبی فضا اور شعر و سخن کے ماحول نے ان کے اندر بھی طبع موزوں پیدا کردی۔ سہیل صاحب کے ایک ماموں تھے جو پیشے سے تو سائنٹسٹ تھے مگر شاعری بھی خوب کرتے تھے۔ان کو سہیل صاحب نے اپنی ایک غزل لکھ کر سنائی جوان کو پسند نہیں آئی اور اصلاح کرنے کو کہا سہیل صاحب نے یہ بات اپنے دل پر لے لی اور اس کے بعد سے انھوں نے جس طرح کی شاعری شروع کی اس سے تو سب ہی واقف ہیں۔ غزل ہو یا نظم، رباعی ہو یا قطع ہر صنف میں منفرد انداز، منفرد موضوع، منفرد پیغام ہے! آم کے پھل پر طویل نظم لکھی (تقریباً سات سو اشعار) تو ایک نیا ریکارڈ قائم کر دیا کہ ''لمکا بک آف رکارڈ'' میں شامل ہوگئی! شعری مجموعہ ''نیلا چاند'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ نیلا چاند میں ہر شعر میں ایک، دو، تین یا چار محاروں کو باندھا گیا ہے۔ یہ کتاب'' ایشیا بک آف رکارڈ'' میں 2021 میں شامل کی گئی ہے۔''گل نامہ''300 اشعار پر مشتمل ردیف

''گل'' کے ساتھ غزلوں کا مجموعہ شائع ہوا۔ یوں تو ان کی کل 14 کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں ان کی کہانیوں کے مجموعے بھی شامل ہیں اور اردو کے علاوہ ہندی اور انگریزی زبان میں لکھے گئے مضامین کے مجموعے بھی ہیں لیکن مندرجہ بالا کتابوں کا ذکر صرف اس لیے کیا ہے کہ ان میں بالکل انفرادی رنگ شامل ہے۔ انفرادیت سہیل کاکوروی کی شخصیت کا ایک خاص جز ہے۔ اسی انفرادیت کے تحت انھوں نے اپنے عزیز ساتھی مظہر محمود کی فرمائش پر بالکل منفرد انداز میں اپنی منظوم سوانح عمری ''سہیل نامہ'' لکھ دی۔ یہ ہندوستان میں اردو زبان میں لکھی گئی پہلی منظوم سوانح عمری ہے۔

ہندوستان میں منظوم پیرایہ میں خودنوشت لکھنے کی ابتدا سہیل کاکوروی نے کی! لہٰذا اردو زبان میں پہلی خودنوشت سوانح عمری کا سہرا ''سہیل نامہ'' کو جاتا ہے۔ اس طرح سہیل کاکوروی نے انفرادیت کے میدان میں ایک اور جھنڈا گاڑ دیا ہے۔

''سہیل نامہ'' میں سہیل کاکوروی نے اپنی پیدائش سے لے کر اس کتاب کے وجود میں آنے تک کے واقعات قلم بند کیے ہیں۔ ایک اچھی اور مکمل خودنوشت کی پہچان ہی یہی ہوتی ہے کہ اس کا خالق اپنی تمام اچھائیوں، برائیوں، خوبیوں اور خامیوں کو سچائی کے ساتھ بیان کردے، کیونکہ زیادہ تر ہوتا یہ ہے کہ خوبیاں تو سب ہی بیان کر جاتے ہیں مگر خامیوں کو بڑے سلیقہ کے ساتھ چھپا لیتے ہیں۔۔۔۔مگر ''سہیل نامہ'' کے خالق نے بڑی ہی دیانت داری کے ساتھ اپنے قوی اور کمزور پہلوؤں، خوبیوں اور خامیوں کو بیان کر دیا ہے۔

یہ حقیقت ہے جس کا سب ہی اعتراف کریں گے کہ شاعری کے میدان میں شاعر کبھی اپنی شاعری سے پہچانا جاتا ہے اور کبھی اس کی ذات اور شخصیت اس کی شاعری کو سمجھنے میں معاون ہوتی ہے۔ دونوں کا رشتہ اتنا گہرا اور پیچیدہ ہے کہ انھیں مکمل طور پر الگ کر کے دیکھا ہی نہیں جا سکتا ہے کیونکہ شاعری کی تہوں کو کھولنے، اس کی معنوی خصوصیتوں کو سمجھنے، اس کے فنی محاسن و معائب کا اندازہ لگانے، اس کی ندرتوں اور امتیازی کیفیتوں سے لطف اندوز ہونے میں شاعر کی ذات اس کے ذہن، اس کے نفسیاتی و سماجی رجحانات، اس کے شعور اور جذباتی محرکات سے واقف ہوئے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔ یہ درست ہے کہ مطالعہ کی مختلف سطحوں پر شاعر یا شاعری کو علیٰحدہ علیٰحدہ پرکھا جا سکتا ہے لیکن یہ مطالعہ ہر حال میں ادھورا اور ایک طرفہ ہی رہے گا۔ کیونکہ تخلیق کی عظمت میں خالق کی عظمت پوشیدہ ہوتی ہے۔

سہیل کاکوروی کی شاعری محض دل و نظر کی شاعری نہیں بلکہ اس شاعری میں حیات بھی ہے اور کائنات بھی! وہ اپنے ساتھ سارے زمانے کو لے کر چلنا چاہتے ہیں۔ ان کی شاعری دھڑکتے دلوں، ذہنی رویے، سوچ اور رجحانات کی عکاسی کرتی ہے۔ فرد سماج کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے اور وہ سماج سے کٹ کر نہیں رہ سکتا ہے۔ یہ معاشرہ ہی ہے جس نے انسان کو دورِ وحشت سے نکال کر اسے صحیح معنوں میں انسان بنایا۔۔۔ایسا انسان جس کے لیے محبت بھی لازم ہے اور معاشرے سے جڑے رہنا بھی۔ یہ خصوصیتیں انسان کی شخصیت کو مکمل کرتی ہیں۔ سہیل کاکوروی کی شخصیت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں تعلقات نبھانے کا ہنر آتا ہے۔ پروفیسر ولی الحق انصاری کا ایک شعر ہے کہ

ہم نے یہ اپنی وضع نبھائی تمام عمر
جس سے بھی ایک بار ملے عمر بھر ملے

یہ شعر سہیل کاکوروی کی شخصیت پر بالکل صحیح اترتا ہے۔ وہ جس سے ایک بار مل لیتے ہیں اسے کبھی نظر انداز نہیں کرتے یہ الگ بات ہے کہ جیسا خلوص و محبت وہ دوسروں پر نثار کرتے ہیں جواباً وہ اگلے سے بھی وہی توقع رکھتے ہیں اور دوسری جانب سے ویسا سلوک نہ ملنے پر ان کے نازک مزاج دل کو تکلیف پہنچتی ہے۔ شکایت وہ کبھی کسی سے نہیں کرتے البتہ ان کا حساس دل اسے محسوس ضرور کرتا ہے۔ ان کی شاعری کو پڑھ کر ان کی شخصیت کو بخوبی پہچانا جا سکتا ہے۔ ان کی شاعری میں نہ رقیب کی شکایت ملتی ہے نہ ہجر کا رونا، نہ شیخ کی غیبت۔ ایسا کچھ نہیں جو اردو کی روایتی رومانی شاعری کی علامتیں ہیں۔ ویسے بھی وہ روایتی باتوں کے قائل کبھی نہیں رہے۔ اپنی سوچ، اپنی فکر اور سب سے بڑھ کر اپنی انفرادیت پر ہمیشہ قائم رہے۔

سُہیل نامہ ان کی طبیعت کی اسی انفرادیت کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ قصبہ کاکوری سے تعلق ہونے کی وجہ سے وہاں کی روحانیت اور صوفیانہ روش سُہیل کاکوروی کی شخصیت کا ایک اہم جز بن گئی۔ اسی روایت کو قائم رکھتے ہوئے اس خودنوشت کی ابتدا خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثنا سے ہوتی ہے! چند اشعار پیش ہیں:

مجھ پر نگاہ ڈال مرے ربِ ذوالجلال
تحریر میری ایسی ہو جو ہووے بے مثال
رحمت سے تیری میرے تخیل میں روشنی
رحمٰن تو ہے پھر نہیں مجھ کو کوئی کمی
ڈھل جائے میرے نغموں میں تاثیرِ سرمدی
جو میں کہوں وہ بات جہاں کو لگے بھلی

ان طویل حمدیہ اشعار کے بعد انھوں نے حضرت محمد ﷺ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خلفائے راشدین کی شان میں اشعار پیش کیے ہیں:

میں اک غلام حضرتِ خیرا لانام ہوں
اولاد ہوں علی کی تو میں شاد کام ہوں
نام حسین اور حسن ذکرِ فاطمہ
ان کا ہی تذکرہ ہے جو ٹالے ہر اک بلا
صدیق اور عمر تو ہیں دینِ متیں کی شان
عثمان کی حیا و سخاوت میں آن بان
شمس و قمر کے مثل ہیں اصحابِ مصطفیٰ
ان کے عمل سے جاری ہدایت کا سلسلہ
ان کے تو نام باعثِ برکت ہیں دل فروز
حقانیت ہے تازہ تو ان سے ہے وہ ہنوز

حمد ،نعت ومنقبت کے بعد وہ اپنی پیدائش اور والدین کا ذکر کرتے ہیں۔

ان کی پیدائش 7/جولائی 1950 کو ایک پارسی ڈاکٹر کے مطب پر ہوئی تھی

جولائی سات اور تھا انیس سو پچاس
آیا میں اس جہاں میں جینے کی لے کے آس
سورج کو وقتِ صبح وہ پوجے تھی ڈاکٹر
تھی پارسی مطب بھی تھا اور اس کا تھا وہ گھر

یہ پوری خودنوشت انھوں نے شعور کی رو میں لکھی ہے،اس وجہ سے جو بھی واقعات بیان کیے ہیں ان میں ترتیب نہیں ہے۔جس وقت بھی قلم اُٹھایا جو ذہن میں آتا گیا لکھتے چلے گئے۔یہ داستانِ حیات بے ربط ضرور ہے پر اس میں جزئیات کو بہت دخل حاصل ہے۔ان کی زندگی سے جڑا ہوا کوئی بھی واقعہ کوئی بھی شخص اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس کا ذکر انھوں نے نہ کیا ہو۔۔۔یہاں تک کہ اپنے انڈکشن چولہے اور اس پر ان کے ذریعہ پکائے جانے والے لذیذ کھانوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔۔۔

ہر انسان کی زندگی میں اچھے وقت کے ساتھ برا وقت بھی آتا ہے۔سہیل کاکوروی نے ان دونوں حالات کا بھی ذکر کیا ہے۔ایک بار ان کی والدہ بہت سخت بیمار ہوگئی تھیں اور اس وقت ان کی مالی حالت بہت خراب تھی۔علاج کے لیے گھر میں پیسہ نہ تھا۔گھر کا کچھ سامان لے کر بیچنے گئے لیکن وہ بکا نہیں۔مگر اپنے غم و پریشانی کو انھوں نے اپنی والدہ سے چھپا کر رکھا تھا۔اس پریشان گھڑی میں ان کے دوست نوین کی والدہ نے ان کی مدد کی تھی۔جس کا ذکر انھوں نے صفحہ نمبر (77) پر کیا ہے۔اپنی والدہ کی انھوں نے دل وجان سے خدمت کی۔آخری وقت میں والدہ کے لبوں پر ان کے لیے بے حد دعائیں تھیں جو ان کی زندگی کا قیمتی سرمایہ بن گئیں۔اس کا ذکر انھوں نے اس طرح کیا ہے:

بیمار میری والدہ پھر ہوگئیں شدید
ایسا کہ ان کی زیست کی کم رہ گئی اُمید
خدمت تب ان کی میں نے دل وجان سے جو کی
ہوجاؤں مالا مال دعا ان کے لب پہ تھی
دل سے دعا نکلتی ہے ہوتی ہے بااثر
پھر اس کے بعد رات گئی ہو گئی سحر

(صفحہ 78)

سہیل کاکوروی نے اپنے والد معین الدین حسن علوی صاحب کا بھی ذکر کیا ہے۔

والد بہارِ علم تھے اور نام تھا معین
تدریس پیشہ کر لیا تھا جو تھا فروزِ دین

(صفحہ 59)

معین الدین صاحب اور میرے والد ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی ایک دوسرے کے بہت گہرے دوست تھے۔بالکل بھائیوں جیسا رشتہ تھا اور معین صاحب نے اسلامیہ کالج میں میرے بڑے بھائیوں ڈاکٹر ظفر اقبال اور مظہر اسلام کو پڑھایا بھی تھا۔سہیل کاکوروی صاحب سے میرا رشتہ بالکل سگے بھائی جیسا ہی ہے۔انھوں نے میرا بھی ذکر اپنی اس منظوم خودنوشت میں کیا ہے۔(صفحہ نمبر 94) وہ ایک بڑے بھائی کی طرح ہی مجھ سے شفقت اور محبت کا سلوک کرتے ہیں۔کبھی کبھی مجھ سے کوتاہی ہوجاتی ہے تو فون کر کے اتنی پیار بھری ڈانٹ سناتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ ان کو بار بار ناراض کریں۔بقول غالب

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

اتنی پیار بھری ڈانٹ سننے کے لیے ہم ان کو پریشان بہت کرتے ہیں اور چھیڑتے بھی ہیں۔۔۔یہ الگ بات ہے کہ ایک مشفق بڑے بھائی کی طرح وہ ہمیشہ اپنے شفقت و محبت سے لبریز جوابات بڑے اطمینان سے مسکرا کر دیتے رہتے ہیں۔ہم نے سہیل بھائی سے بارہا کہا کہ شادی کیوں نہیں کرتے تو وہ ہمیشہ ہی اس بات کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ٹال جایا کرتے تھے مگر اس منظوم سوانح عمری سے ان کی شادی نہ کرنے کی اصلیت معلوم ہوگئی!شاعری اور خصوصاً غزل میں رنگ تغزل عشق کیے بغیر آنا

مشکل ہوتا ہے۔ سہیل بھائی کی شاعری میں کئی جگہ پر یہ عشقیانہ رنگ ملتا ہے۔ کچھ مثالیں پیش ہیں۔۔۔

وہ آ گئی تھی جس پہ فدا سب میرا تھا ہوش
لیکن جو اس کا حال ہے وہ ہے بقول جوش
یوں چپ ہے مجھ سے گویا کچھ کام ہی نہیں ہے
یہ وہ ادا ہے جس کا کچھ نام ہی نہیں ہے

(صفحہ 161)

ایک صاحبہ تھیں جو اسی ہوٹل میں آیا کرتی تھیں جہاں سہیل بھائی جاتے تھے۔ اس کا بھی ذکر کیا ہے۔

ہوٹل میں ایک آتی تھی اکثر وہ نازنین
میری اور اس کی نظریں وہیں پر ہی مل گئیں
وہ کر کے کتنے وعدے گئی خواب ہوگئی
آج اس کی یاد بس یوں ہی بیتاب ہوگئی

(صفحہ 108۔107)

اس طرح مختلف مقامات پر ایک نامعلوم محبوبہ کا ذکر آیا ہے۔ ان سے ان محترمہ کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کچھ وضاحت سے نہیں بتایا۔ البتہ 26 ر جون 2024 کے 'لوک ستا' اخبار میں ''امرائی'' پر ان کی ایک غزل شائع ہوئی تھی جس کے چند اشعار کی حقیقت سے متعلق جب ان سے پوچھا تو انھوں نے اقرار کیا کہ اس میں جس کا ذکر ہے وہ حقیقی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اُس نے کی خوب شرارت میری امرائی میں
آم پر گزری قیامت میری امرائی میں
آم کا لطف وہ لیتا تھا میرا کام ہوا
مسکرا اٹھی محبت مری امرائی میں
عشق تازہ ہے میرا سیپ گری آج سہیل
یار ہے صورتِ جنت میری امرائی میں

سہیل کاکوروی صاحب کی اس خودنوشت کے ذریعہ ان کی زندگی کے اس راز سے بھی پردہ اُٹھ گیا۔

''سہیل نامہ'' میں انھوں نے اپنی زندگی سے جڑے ہر طرح کے واقعات کو بیان کر دیا ہے۔ یہی اس خودنوشت کی سب سے بڑی خصوصیت ہے ورنہ عموماً لوگ اپنی زندگی سے جڑے بہت سے واقعات جو وہ بتانا نہیں چاہتے چھپا لے جاتے ہیں۔ 'سہیل نامہ' ایک مکمل خودنوشت ہے کیونکہ یہ اس صنف کی تمام خصوصیات کو پورا کرتا ہے۔ اردو کے مشہور ادیب و ناقد پروفیسر شافع قدوائی نے ''سہیل نامہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔۔۔۔

''سہیل کاکوروی نے اپنے کمالات اور شعری اکتسابات کا ذکر بے جا احساس تفاخر کیے بغیر کیا ہے اور تعلّی سے عموماً گریز کیا ہے تاہم اپنی تنقیدی دقیقہ سنجی کے دو چار واقعات ضرور نظم کیے ہیں۔۔ اردو میں منظوم سوانح کو تخلیقی توانائی کے ساتھ برتنے اور اس کے نئے امکانات وا کرنے پر سہیل کاکوروی ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔۔'' (سہیل نامہ۔ صفحہ 17)

سہیل کاکوروی ایک خاموش طبیعت انسان ہیں لیکن ان کی یہ خاموشی ہی ان کی باتوں میں وزن پیدا کرتی ہے۔ وہ نہایت معصوم، سیدھے سادھے حساس طبیعت انسان ہیں۔ ان کی جو شبیہ سامنے آتی ہے وہ غور و فکر میں ڈوبے ہوئے ایک ایسے صوفی منشِ انسان کی ہے جو الفاظ کی موسیقی سے سرشار ہے اور ان کی شاعری۔

''سوز و ساز و درد و داغ و جستجو و آرزو''

کا مرقع ہے۔ اس منظوم خودنوشت کی زبان نہایت شستہ، رواں اور شگفتہ ہے۔ اس میں ان کی زندگی کا فلسفہ، شب و روز کے تجربات اور سچائیاں، ملک و قوم سے محبت، مذہب سے گہری وابستگی، دوستوں اور رشتہ داروں سے محبت، والدین کی خدمت کا جذبہ۔۔۔۔۔ غرض انسانی زندگی سے جڑے تمام چھوٹے بڑے جذبات، تجربات و واقعات سب کچھ انھوں نے اپنی اس منظوم خودنوشت میں بیان کر دیے ہیں۔ 'سہیل نامہ' میں ان کی اب تک کی زندگی سے جڑا کوئی گوشہ، کوئی پہلو، کوئی بھی واقعہ اور کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جسے انھوں نے نظرانداز کیا ہو۔ اردو ادب میں پہلی مکمل منظوم خودنوشت لکھنے کے لیے سہیل کاکوروی صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اُمید کرتی ہوں کہ جلد ہی وہ اپنی زندگی سے جڑے مزید واقعات بھی نظم کر کے اس کے اگلے ایڈیشن میں شامل کریں گے۔

□□□

Dr. Parveen Shujaat
169/7, Imtiaz Apartments,
3rd Floor,
Behind Qaiser Bagh Kotwali
Khayali Ganj Qaiser Bagh
Lucknow-226018 (U.P)
parveen.shujaat@yahoo.com

راشدہ خاتون

ہمہ جہت شخصیت پروفیسر قمر رئیس

پروفیسر قمر رئیس کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ وہ محض ادیب اور نقاد ہی نہیں ہیں بلکہ افسانہ نگار اور شاعر بھی تھے۔ اردو تنقید کی دنیا میں ایک مستند اور محترم نام ہے۔ انھوں نے اپنی تحریروں سے ہزاروں دلوں میں علم کے چراغ روشن کیے ہیں اور ہزاروں دماغوں کو شعور کی روشنی عطا کی ہے۔ ان کی روح میں ایک شاعر بھی موجود ہے لیکن انھوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں تنقیدی ادب کے لیے وقف کردیں۔ پروفیسر قمر رئیس کی ہمہ جہت شخصیت کم از کم اردو داں طبقہ کے لیے محتاج تعارف نہیں۔ وہ ایک مقبول استاد، معروف نقاد، ممتاز شاعر اور ترقی پسند تحریک کو تنظیم بنانے والے ایک فعال ادیب ہیں۔ فکشن اور فکشن میں پریم چند کی تخلیقات قمر رئیس کا اہم موضوع رہا ہے۔ انھوں نے پریم چند کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کے افسانے اور ناولوں کے پس منظر اور ان کے فن کے مختلف پہلوؤں کا کئی زاویوں سے تجزیہ کیا ہے۔ اردو ہی نہیں، ہندی میں بھی پریم چند کے سلسلہ میں قمر رئیس کی تحریریں عالی مقام رکھتی ہیں۔ قمر رئیس کی تنقید ہمارے عہد کی وسیع تر بصیرتوں کا ایک معتبر حوالہ ہے۔ اردو میں فکشن کی تنقید کے اولین بنیاد گزاروں میں قمر رئیس کا نام ایک علحدہ تخصص رکھتا ہے۔

قمر رئیس کا اصل نام مصاحب علی خاں اور خاندانی نام 'چھکن' تھا۔ اتر پردیش کے مشہور شہر شاہجہانپور میں 12/ جولائی 1932 کو اپنے آبائی مکان واقع احمد پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد جناب عبدالعلی

صاحب اپنے خاندان کے پہلے پڑھے لکھے فرد تھے۔آپ کی والدہ کا نام مختار بیگم تھا جن کا تعلق ردولی ضلع بارہ بنکی کے ایک سادات خاندان سے تھا۔ان کے لڑکپن کا دور بہت ہنگامہ خیز تھا۔ایک طرف آزادیٔ وطن کے جوش وجنون کا دھارا بہہ رہا تھا تو دوسری طرف علم وادب کا دریا موجزن تھا۔دونوں کو جوڑتی درمیان میں ایک خشک ہوتی ہوئی ترقی پسند تحریک کی نہر بھی تھی۔قمر رئیس کے مزاج کی ساخت ان متنوع دھاروں کے امتزاج سے ہوئی۔آپ نے گھر کے اندر جاگیردارانہ ماحول دیکھا تو گھر کے باہر غریب کسانوں اور دیہات کے مزدوروں کا استحصال بھی بہ غور دیکھا جس نے ان کے ناپختہ ذہن کو نادار،افلاس زدہ اور کچلے ہوئے طبقے کے مسائل کی طرف متوجہ کیا۔

پروفیسر قمر رئیس کی تعلیم وتربیت میں شاہجہاں پور اور لکھنؤ دونوں کی فضاؤں کا ہاتھ ہے۔انٹرمیڈیٹ تک کی تعلیم اپنے آبائی شہر شاہجہاں پور میں حاصل کی اور 1953 میں لکھنؤ یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔1955 میں ناگپور یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور 1958 میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پروفیسر رشید احمد صدیقی کی نگرانی میں بعنوان ''پریم چند کا تنقیدی مطالعہ بحیثیت ناول نگار'' ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔اس دوران ڈاکٹر محمد حسن،احتشام حسین اور آل احمد سرور کے حلقہ میں وہ ادبی ذوق کی آبیاری کر رہے تھے جس کی وجہ سے وہ اپنے والد کے پیشہ وکالت میں نہ جاکر پریم چند پر رشید احمد صدیقی کی نگرانی میں علی گڑھ سے پی ایچ ڈی کر کے دہلی یونیورسٹی میں لکچرر کے عہدہ پر فائز ہوگئے۔اس طرح اردو ادب اور تنقید کی ایک عظیم شخصیت کی تشکیل ہوئی جو مصاحب علی سے قمر رئیس کے نام سے مشہور ومعروف ہوئی۔

پروفیسر قمر رئیس بنیادی طور پر ترقی پسند ادیبوں میں سے تھے۔ان کا تنقیدی نظریہ بھی ترقی پسندانہ تھا۔وہ ترقی پسند تحریک کے ایسے آخری سپہ سالار تھے جس نے ہتھیار نہیں ڈالے اور ہمیشہ ترقی پسند ادبی تحریک و نظریات ہی کی کسوٹی پر ادب کو پرکھتے تھے۔تنقیدی مضامین پر مشتمل ان کی پہلی کتاب ''تلاش وتوازن'' میں لکھتے ہیں:

> ''شاید اب اس حقیقت پر زور دینے کی ضرورت نہیں کہ ادب سماجی حقیقت کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ادب کی تخلیق ایک سماجی فعل ہے اس لیے ادب کے سماجی رویہ،گردوپیش سے اس کے رشتوں اور اس کے زاویۂ نگاہ کی پرکھ میرے نزدیک تنقید کا ایک اہم فریضہ ہے''۔

قمر رئیس کی تنقید اپنے بہترین کردار میں تنقید ہے جو تنقید سے معیار اخذ نہیں کرتی اور نہ ہی فلسفیانہ وضاحتیں پیش کرتی ہے بلکہ براہ راست تخلیق سے سروکار رکھتی ہے۔قمر رئیس نے بالعموم انہی فنکاروں پر لکھا ہے جو اپنے ادراک میں واضح اور فکر میں سنجیدہ ہیں۔ان کے مطالعات میں تاریخ،سماج اور تہذیب کو اولیت حاصل ہے،جس سے ان کے خاص نقطۂ نظر کی تشکیل ہوتی ہے۔مگر وہ نقطۂ نظر کو بنیاد بنا کر تخلیق کا مطالعہ نہیں کرتے بلکہ تخلیق میں اپنا نقطۂ نظر تلاش کرتے ہیں اور تخلیق ہی سے اس کا اثبات بھی چاہتے ہیں۔وہ اشتراکی نظریے کو انسان کی فلاح و بہبود کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ان کا کہنا تھا ''کوئی بھی نظریہ اور اس کا اطلاق ترقی پسندانہ ہوگا جو انسان کی آزادی،آسودگی اور فلاح کا ضامن ہو جو اس کو صدہا سال کے استحصال،احتجاج،زبردستی اور نابرابری کی اذیت سے نجات بخشنے کے امکانات رکھتا ہو۔اشتراکی نظریہ سب سے بڑھ کر انسان دوستی اور دردمندی کا حامل ہے''۔وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے نظریات اور ادب کے نئے رجحانات کے باوجود وہ اپنے نظریے پر سختی سے قائم رہے۔

قمر رئیس کی ترقی پسند تحریک کے مشن کے پیچھے اردو کے فروغ و ارتقا کا بھی خاص مقصد تھا۔انھوں نے دو درجن سے زیادہ کتابیں تحریر کر کے اردو ادب میں قابل قدر اضافہ کیا۔ترقی پسند تحریک سے وابستہ

ہندوستان کی 157 شخصیات پر ملک کے نامور اہل قلم حضرات سے مقالے لکھوا کر ''ترقی پسند ادب کے معمار'' عنوان سے ایک انسائیکلو پیڈیا کی پہلی جلد 2006 میں خود کے اشاعتی ادارے ہمسفر پبلی کیشنز سے شائع کی۔ دوسری جلد پاکستان کے ترقی پسند تخلیق کاروں پر ترتیب دے رہے تھے۔ ہندوستان کے جن ترقی پسندوں کا ذکر پہلی جلد میں رہ گیا تھا ان پر بھی تیسری جلد ترتیب دینے کا خیال تھا لیکن ان کا یہ خواب دوسرے کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

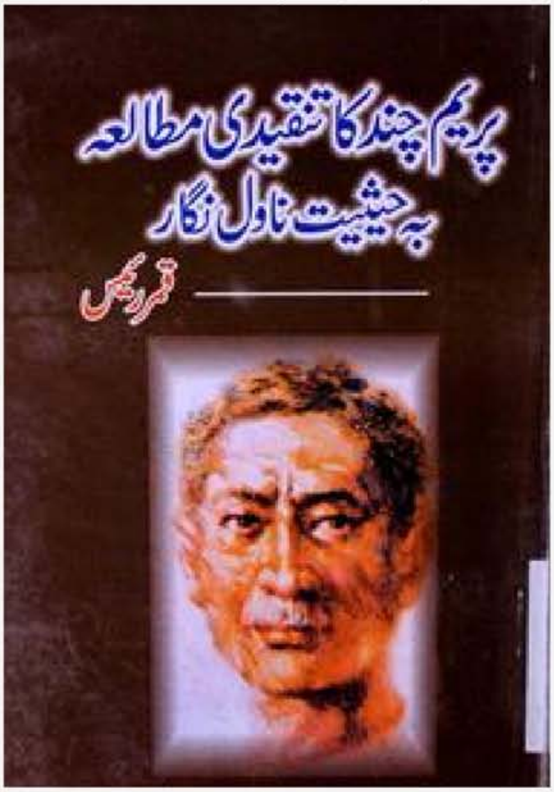

پروفیسر قمر رئیس نے اردو فکشن کو اپنی تنقید کا محور بنایا۔ افسانوی ادب سے اپنی خصوصی دلچسپی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''فکشن میرے مطالعہ کا خاص موضوع رہا ہے۔ اس کا آغاز اس وقت ہوا جب 1956 میں وکالت کے آبائی پیشہ کو خیر باد کہہ کر ایک بار پھر میں طالب علم بن گیا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پریم چند کی ناول نگاری پر کام شروع کیا''۔

پروفیسر قمر رئیس نے پریم چند کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کے ناول اور افسانوں کے پس منظر اور ان کے فن کے مختلف پہلوؤں کا کئی زاویہ سے تجزیہ کیا ہے۔ ان کی ذاتی زندگی کے لیے ایسے گوشے تلاش کیے ہیں جو اس سے پہلے آشکار نہیں تھے۔ پریم چند کے تمام ناول، افسانے، مضامین، فلموں سے وابستگی، زندگی میں رومان، سماج کے تئیں ان کی دردمندی اور انجمن ترقی پسند مصنفین سے وابستگی وغیرہ سب کا ذکر کیا ہے۔ پریم چند اور ان کے فن پر ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ مثلاً 'پریم چند کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ' 'پریم چند فکر و فن' 'پریم چند شخصیت اور کارنامے' اور 'مضامین پریم چند' وغیرہ۔

آپ کا پہلا تحقیقی کارنامہ ''پریم چند کا تحقیقی مطالعہ بحیثیت ناول نگار'' ہے جو پروفیسر رشید احمد صدیقی جیسی عظیم شخصیت کی نگرانی میں تحریر کیا۔ اس تحقیق نے ان کے ذہن میں جو ہلچل پیدا کی اسی کے اثرات سے ترقی پسند تحریک کی طرف مائل ہوئے اور اس کا دامن اتنی مضبوطی سے تھاما کہ موت کے سوا کوئی نہیں چھڑا سکا۔ اس تحقیقی مقالے کی اہمیت کا اندازہ پروفیسر رشید احمد صدیقی کی درج ذیل تحریر سے لگایا جا سکتا ہے:

> ''اردو میں شاید یہ پہلا مقالہ ہے جس میں پریم چند کے تصورات اور ان کی تخلیقات کا اس تفصیل سے مطالعہ کیا گیا ہے اور ان کے محرکات بعض ناولوں اور کرداروں کے ماخذوں، موضوعات اور ناول کی فنی ساخت و پرداخت کی تنقیدی زاویے سے پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے''۔

پروفیسر قمر رئیس نے اپنی زندگی میں بہت سے تعمیری کام انجام دیے، جیسے بارہ برس تک ازبکستان میں مقیم رہ کر اردو پڑھانا اور ہندوستانی کلچر کو فروغ دینا۔ انھوں نے ازبک زبان میں میر امن کی 'باغ و بہار' اور 'دیوان غالب' شائع کرایا جس کی بالترتیب ایک لاکھ اور ساٹھ ہزار کاپیاں فروخت ہوئیں۔ انھوں نے وہیں مرزا رسوا کا 'امراؤ جان' بھی شائع کیا۔ اس کے علاوہ ازبک زبان کے شعراء اور ادباء کی تخلیقات کا اردو ترجمہ ''شعرائے ازبکستان'' کے نام سے 1973 میں تاشقند سے شائع کرایا۔ ان کا ایک بہت اہم کام 'بابر شخص اور شاعر' ہے، جو بابر کے بارے میں بالکل نئی تحقیق ہے اور ازبیکستان نے ان کو اس کے لیے حسب مرتبہ اعزاز سے بھی نوازا۔ ان کا ادبی دائرہ کار بہت وسیع ہے جس کی مثال فی الوقت نظر نہیں آتی، وہ کام اور صرف کام پر یقین رکھتے تھے۔ انھوں نے ادب میں بہت سے نادر کام انجام دیے۔ وہ متعدد میگزین کے ایڈیٹر رہے جن میں علی گڑھ سے شائع ہونے والا 'ادیب' 'علی گڑھ میگزین' اور دہلی سے 'عصری آگہی' اہم ہیں۔ 'نیا سفر' انہی کی ادارت میں شروع ہوا اور آخر میں بحیثیت نگراں ماہنامہ 'ایوان اردو' دہلی اردو اکیڈمی کے وائس چیئر مین ہونے کی حیثیت سے۔ انھیں نیشنل لکچرر بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ کل ہند

اردو ٹیچرز ایسوسی ایشن کے وہ چار بار جنرل سکریٹری بھی چنے گئے۔ کلکتہ یونیورسٹی کی اقبال چیئر کی پروفیسر شپ بھی انھیں فیض احمد فیض کے انکار کے بعد پیش کی گئی۔ شاید ذاتی وجوہ کی بنا پر وہ وہاں نہیں گئے اور دہلی یونیورسٹی میں ہی پروفیسر ہو گئے اور چھ سال شعبۂ اردو کے صدر بھی رہے۔ ان کی نگرانی میں کئی ہونہار طلباء نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ گویا اس چراغ سے کتنے ہی چراغ ادب میں روشن ہوئے۔ مثلاً ڈاکٹر امیر اللہ خاں شاہین (مرحوم)، ڈاکٹر خاور ہاشمی، ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر خالد اشرف، ڈاکٹر نکہت ریحانہ، سلمیٰ شاہین، رضی الرحمن، سہیل وحید اور سراج اجملی وغیرہ۔ مختلف موضوعات پر ان کی تحریر کردہ کتابیں ملک کی مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہیں۔

پروفیسر قمر رئیس کی ذہانت وذکاوت کی ایک دنیا قائل تھی۔ وہ محنت شاقہ میں یقین رکھتے تھے اور دوسروں سے بھی آنکھوں کا تیل نکلوا کر ہی دم لیتے تھے۔ ان کا عالمی ادب کا مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ روسی ادبیات کے وہ ماہر تھے۔ لینن، گوگوئی، میکھم گورکی، چیخوف، اور طالسطائی کے فکر وفن پر وہ بے تکان گھنٹوں باتیں کر سکتے تھے۔ ہندی اور سنسکرت شعریات پر بھی ان کی عمیق نگاہ تھی۔ انگریزی اور ہندی سے نہایت رواں ترجمہ کرتے تھے۔ زندگی کے آخری پڑاؤ سے گزرتے ہوئے قمر رئیس نے اپنا پہلا مجموعہ کلام ''شام نو روز'' ترتیب دیا۔ یہ مجموعہ ان کے پچپن سالہ شعری سفر کا انتخاب ہے۔

بقول ڈاکٹر محمد علی صدیقی:

''یہ ایک ایسا انتخاب ہے، جس میں سرخوشی اور ملال کے جملہ زاویے بے کم وکاست پیش کر دیے گئے ہیں''۔

قمر رئیس ایک نقاد، مترجم، صحافی، ماہر پریم چند اور ترقی پسند تحریک کے روح رواں ہونے کے ساتھ ایک شاعر کی حیثیت سے بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان کی شاعری کی ابتدا غزل سے ہوئی جو ان کے آغاز شباب کے جذبات کی ترجمان تھی۔ ان کی شاعری کا خاص وصف اس کی بلند خیالی اور ترجمانی فطرت ہے جو تاثر کی فضا پیدا کرتی ہے۔ ان کی نظموں میں تغزل جیسا آہنگ نظر آتا ہے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو قمر رئیس کو بحیثیت شاعر بھی ایک منفرد مقام عطا کرتی ہیں۔ نثری نگارشات کے ساتھ اگر وہ تھوڑا شاعری کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تو شاعر کی حیثیت سے بھی شہرت مزید بلندیوں پر ہوتی۔ بہر کیف مقام شکر ہے کہ ان کا پہلا اور آخری شعری مجموعہ ان کی زندگی کا سورج غروب ہونے سے پہلے 2005 میں ''شام نوروز'' کے عنوان سے منظر عام پر آ گیا اور شعری ادب میں ایک نقش دوام قائم کر گیا۔ ان کی شاعری خود اعتمادی، خوبصورت مناظر اور موضوعاتی تنوع سے بھرپور ہے۔ ان کی نظمیں موضوعاتی تنوع، ربط وتسلسل، تجربہ، مشاہدہ اور گزرے ہوئے لمحات کا ایک بحر بیکراں ہے جیسا کہ انھوں نے 'شام نوروز' میں لکھا ہے:

''یہ مجھے تجربہ نے سکھایا کہ شعری وجدان کا سب سے وسیع، معتبر، متنوع اور جمال آفریں سرچشمہ بچپن اور لڑکپن کے تجربوں، مشاہدوں اور یادوں کا انمول ذخیرہ ہوتا ہے۔ وہ تحت الشعور کی محفوظ پناہ گاہوں میں رہ کر بڑے پر اسرار ڈھنگ سے عمل کرتا ہے''۔

قمر رئیس ان چند سربرآوردہ شاعروں میں سے ہیں جن کی اردو نظم آل انڈیا ریڈیو نے National Symposium of Poets کے لیے منتخب کی تھی۔ یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ اردو میں ان کی نظمیں مجموعے کی صورت میں شائع نہیں ہوئیں لیکن تاشقند میں ان کی نظموں کا ترجمہ ازبکی زبان میں ہوا اور کتاب چھپی۔

قمر رئیس کی تنقید نگاری پر سب سے زیادہ اثرات ترقی پسندانہ فکر کے عالمی نقطۂ نظر نے ڈالے ہیں۔ ہر چند کہ وہ پروفیسر احتشام حسین کے شاگرد ہیں لیکن احتشام حسین اور قمر رئیس کے اسالیب میں بین فرق ہے۔ احتشام حسین اپنے ادبی مطالعہ میں فنی محاسن نقطۂ نظر اور جمالیاتی احساس کی جس تثلیث پر زور دیا کرتے تھے، قمر رئیس کے یہاں یہ تثلیث جوں کی توں برقرار ہے۔

''پریم چند کا تنقیدی مطالعہ'' 1959، ''تنقیدی تناظر'' 1977، ''پریم چند فکر وفن'' 1918، ''تلاش وتوازن'' 1968، ''اردو ڈرامہ'' 1962، ''ہندوستانی ادب پر اکتوبر انقلاب کے اثرات'' (بزبان انگریزی) 1977، ''ترجمہ کا فن اور روایت'' 1971، ''رتن ناتھ سرشار'' کے علاوہ سید عاشور کاظمی کے ساتھ ''ترقی پسند ادب پچاس سالہ سفر'' 1988 کے علاوہ متعدد درسی کتب کی تدوین بھی قمر صاحب نے کی ہے۔ تاشقند میں قیام کے دوران قمر رئیس نے شعراء ازبکستان کے عنوان سے 25/ازبکی شعرا کی 70 سے زائد تخلیقات کا اردو میں ترجمہ کیا۔ قمر رئیس کی متعدد کتابوں کے سوویت زبانوں میں تراجم بھی ہوئے ہیں۔ ان کتابوں میں خود قمر رئیس کی اردو شاعری کا ترجمہ بھی شامل ہے جس کا مقدمہ سجاد ظہیر نے تحریر کیا ہے۔

قمر رئیس نے جس زمانے میں تنقید کے میدان میں قدم رکھا، اس وقت بیشتر ترقی پسند نقاد جذباتی ہیجان میں مبتلا تھے۔ وہ انتہا پسندی کا شکار تھے اور شعر وادب کو پرکھنے میں ادبی تقاضوں کو نظر انداز کر رہے تھے۔ قمر

رئیس کا ادب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ادب کی کسوٹی پر پورا اترے یعنی فن اور جمالیات کے تقاضوں کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہ کرے۔ شاعری سے فن اور جمالیات کے مطالبے کچھ زیادہ ہی ہوتے ہیں۔ شعر کی تخلیق میں سماجی حالات سے زیادہ داخلی محرکات کارفرما ہوتے ہیں۔ ادب کی تخلیق ایک سماجی فعل ہے اور زندگی سے گہرا، بامعنی اور استوار تعلق ہی ادب کو توانائی عطا کرتا ہے۔ قمر رئیس کے نزدیک وہ ادب بے وقعت ہے جو زندگی سنوارنے اور اسے بہتر بنانے کا آرزومند نہ ہو۔

قمر رئیس کے اندر صرف تحریری اور تقریری صلاحیتیں نہ تھیں بلکہ وہ اپنے اندر ایک تنظیمی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ سجاد ظہیر کے بعد جب انجمن ترقی پسند مصنفین کی باگ ڈور آپ کے ہاتھوں میں آئی اور 1980 میں انجمن کے باقاعدہ سکریٹری چنے گئے تو انھوں نے بہ حسن وخوبی اور عدل وانصاف کے ساتھ تاحیات اس ذمہ داری کو نبھایا اور اپنے منصب کا کبھی غلط استعمال نہیں کیا جیسا کہ پروفیسر علی احمد فاطمی لکھتے ہیں:

> ''وہ بھرپور ترقی پسند تھے اور ترقی پسند ادب اور ترقی پسند ادیبوں کی حمایت ضرور کرتے تھے لیکن انہیں کی حمایت کرتے تھے جو اس کے حقدار ہوتے۔ دہلی اردو اکادمی کے بڑے انعامات انہیں ترقی پسند ادیبوں کو دیے اور دلوائے جو واقعی حقدار تھے''۔

ترقی پسند نقطۂ نظر کو جس شفافیت مفروضیت اور غیر جانبدارانہ سوچ کے ساتھ فکشن کی تنقید میں برتا تھا اس کے لیے وہ ہر طرح داد کے مستحق تھے۔ سجاد ظہیر، ڈاکٹر عبدالعلیم، احتشام حسین، مجنوں گورکھپوری، اعجاز حسین اور مسیح الزماں کے بعد ترقی پسند ادب کے مثبت پہلوؤں کی جیسی نئی تعبیریں قمر رئیس نے پیش کیں، اس سے ان کے تخلیقی وجدان کی تازہ کاری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ناول کی تنقید میں خصوصی طور پر اور افسانہ کی تنقید میں عمومی طور پر انھوں نے ترقی پسند جمالیات کی ایک نئی بوطیقہ کو جنم دیا۔

قمر رئیس کی گرانمایہ اور قابل قدر تصنیفات اور ادبی خدمات پر مختلف اکادمیوں اور ادبی اداروں نے مختلف اعزازات و انعامات سے نوازا ان میں سے بعض اہم کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

1960 میں اعلیٰ میرٹ ایوارڈ، اتر پردیش حکومت برائے پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، 1968 میں اتر پردیش اردو اکادمی ایوارڈ برائے تنقیدی تناظر، امتیاز میر ایوارڈ میر اکادمی لکھنؤ برائے تنقید، 1981 میں بہار اردو اکادمی ایوارڈ برائے پریم چند فکر و فن، 1984 میں ہندی اردو ادب ایوارڈ، ہندی اردو ساہتیہ کمیٹی لکھنؤ، 1986 میں نیشنل لکچرر (اعزاز) یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، نئی دہلی، 1987 میں سید احتشام حسین میموریل ایوارڈ برائے تنقید، 1989 میں پریم چند ایوارڈ، انڈین کلچر سوسائٹی، نئی دہلی، 1989 میں نیاز فتحپوری ادبی ایوارڈ، بزم نیاز کراچی، 1994 میں بھارتیہ انوواد پریشد ایوارڈ برائے ترجمہ، 1995 میں مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، 2001 میں غالب ایوارڈ، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی برائے اردو نثر، 2002 میں اردو اکادمی دہلی ایوارڈ برائے تنقید و تحقیق، 2004 میں ظہیر الدین بابر ایوارڈ، انٹرنیشنل فاؤنڈیشن تاشقند برائے مطالعہ بابر اور کل ہند پرویز شاہدی ایوارڈ، اردو اکادمی مغربی بنگال وغیرہ۔

پروفیسر قمر رئیس ایک طویل ادبی سفر طے کر کے بالآخر 27/ اپریل 2009 کو اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ آپ نے اپنی زندگی کی آخری سانس دہلی کے بترا ہاسپٹل میں لی مگر تدفین وصیت کے مطابق شاہجہاں پور کے آبائی قبرستان محلّہ احمد پور میں والدہ کے پہلو میں ہوئی۔ آپ کے تمام اوصاف اور تمام ادبی اور علمی کارنامے زمانے تک زندہ رکھنے کے لیے کافی ہیں۔

□□□

Rashida Khatoon
Research Scholar
Khwaja Moinuddin Chishti Language University
Lucknow-226013 (U.P.)
Mobile : 6307850086
daudahmad786.gdc@gmail.com

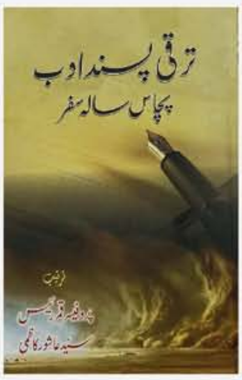

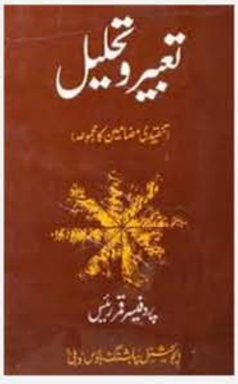

درخشاں خورشید

حسین الحق ''ناگہانی'' کے آئینے میں

اردو فکشن کی دنیا میں حسین الحق ایک معتبر نام ہے۔تقریباً ستر کی دہائی سے انھوں نے لکھنا شروع کیا جو تادم حیات یعنی 23 دسمبر 2021 تک جاری رہا۔ بنیادی طور پر وہ ایک افسانہ نگار تھے مگر ناول میں بھی انھوں نے کامیاب تجربے کیے۔گزشتہ سال انھیں ساہتیہ اکیڈمی انعام سے ان کے ناول 'اماوس میں خواب' کے لیے نوازا گیا۔ جہانِ فکشن میں خواہ وہ افسانہ ہو یا ناول اپنی ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔ہم سب اس رمز سے واقف ہیں کہ ادب میں فن کار کی شناخت اس کے فن سے کہیں زیادہ اس کے اسلوب کی بنا پر قائم ہوتی ہے۔ چونکہ ''دنیا کا ہر بڑا ادب اپنے مخصوص طرز اظہار کی وجہ سے بڑا اور اہم بنتا ہے''۔ حسین الحق کا اسلوب معاصرین افسانہ نگاروں سے بالکل جدا اور دلکش ہے۔کہانی بیان کرنے کا ان کا ڈھنگ نرالا اور سحر آمیز ہے۔یوں تو سبھی فن کار اپنی کہانیوں کا تانا اپنے سماج میں ہی بنتا ہے۔ بلکہ ایک اچھا فن کار اپنی ذات کے وسیلے سے تہذیب و ثقافت کی سچی تصویر کھینچنا چاہتا ہے اور اپنی ذات ہی کے آئینے میں کائنات کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے۔ حسین الحق کے متعدد افسانے اس کی عمدہ مثال ہیں'' جس میں اپنی ذات کو ٹٹولنے کا عمل ہے اور وہ خود اپنے حوالے سے زندگی کے رموز تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل افسانہ نگار اپنے دور کے انسانی نفسیات، جذبات اور جنسیات کے پیچ وخم کو اپنے فنی لوازمات کے ساتھ اپنے افسانے میں پیش کرتا ہے تا کہ انسان کی زندگی کی پوشیدہ کائنات سے ہم روبہ رو ہوسکیں۔ حسین الحق کے افسانوں میں انسانی جبلت کی تہداریاں موجود ہیں جن سے تہذیب و ثقافت کی گرہوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ حسین الحق کے فنی زاویے اور ان کے افسانوں کے اسباب وعلل سے مزید آشنائی پروفیسر صغیر افراہیم کے اس اقتباس سے ہوتی ہے:

'' دراصل افسانہ حیات و ممات کا استعارہ ہے۔انسان کی شخصیت کو سنوارنے اور بگاڑنے میں بیرونی اثرات کے علاوہ خود اس کو ورثہ میں ملی جبلت کی تہداری میں پوشیدہ رموز کی نشاندہی بھی افسانہ کرتا ہے۔فرد کی زندگی میں جو کائنات چھپی ہوتی ہے اس کو اجاگر کرنے کے لیے افسانہ نگار اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر آزادانہ طور پر شعوری کوشش کرتا ہے۔اس کا دائرہ کائنات کی طرح وسیع ہے تبھی تو یہ عمل اور ردعمل پر غور وفکر کرتا ہے۔انسان سے سرزد ہونے والا ہر عمل دراصل شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک ردعمل ہوتا ہے جس کے اسباب وعلل کی جستجو افسانہ کرتا ہے اور حسین الحق ان تمام رموز ونکات کو واضح کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ جن کے واضح ثبوت ان کے افسانوں میں ملتے ہیں۔''

(ص۔8، عالمی زہراب اور حسین الحق کے افسانے، پروفیسر وہاب اشرفی، ثالث، حسین الحق نمبر، مدیر: ثالث آفاق صالح، مونگیر بہار، جولائی۔دسمبر 2019)

حسین الحق کے تقریباً تمام افسانے معاشرتی زندگی اور سماجی حقائق کے آئینہ دار ہیں۔ ''ناگہانی'' ان کا ایک مشہور افسانہ ہے جس میں ایک عورت کی سماجی زندگی اور اس کی نفسیاتی کشمکش کو موضوع بنایا گیا ہے۔ عورت کی سماجی صورتِ حال کے متعلق قلم کاروں نے ہمارے ذہن کو بیدار کرنے کی سعی کی ہے۔ حسین الحق کا مذکورہ افسانہ اسی سلسلے کی کڑی ہے۔لیکن ان کا طرز اظہار افسانے کو منفرد بنا دیتا ہے۔ بی بی عزت النساء اِس افسانے کی مرکزی کردار ہے۔ افسانہ نگار نے عزت النساء کے کردار

کے وسیلے سے مرد اساس سماج کی جو تصویر کشی کی ہے وہ بے حد درد انگیز ہے۔ یہ ہمارے دور کا المیہ ہے کہ صدیوں جد و جہد کرنے کے بعد بھی عورت کو سماجی برابری کا حق حاصل نہ ہو سکا۔ وہ کسی مرد کی شریک حیات تو بن سکتی ہے لیکن شریک رائے کی قطعی اجازت نہیں۔ مرد اساس سماج عورت کو ایک فرد کے بجائے شے تصور کرتا ہے۔ عزت النساء کا شوہر جلال الدین کا رویہ بھی اسی نوعیت کا تھا۔ جلال الدین میں انسانیت کی کوئی بھی صفت نہ تھی لیکن ایک مرد ہونے کی حیثیت سے سماج میں اس کا رتبہ قائم تھا۔ جبکہ عزت النساء کو ایثار و محبت کے بدلے بے عزتی ملتی۔ شوہر کی یہ بدسلوکی اپنی بیوی کے ساتھ تقریباً آٹھ برسوں تک جاری رہی۔ فالج کے حملہ سے جلال الدین کے جبر و ستم مفلوج ہو گئے۔ گویا فالج نے بی بی پر مزید قہر برپا کیا۔ ایک طرف وہ اس شوہر کی غلاظت صاف کرنے پر مجبور ہو گئی جس نے کبھی اسے بیوی کا درجہ دینا تو دور کی بات، محبت سے کبھی بات تک نہ کی۔ دوسری طرف بچوں کی پرورش کا بار بھی ان کے کاندھوں پر آن پڑا۔ وہ بی بی صاحبہ سے استانی جی بن گئیں۔ اس سے بھی کام نہ چلا تو لوگوں کے کپڑے اور بستر سینے لگیں۔ میلاد پڑھانے لگیں۔ مگر بات تو پھر بھی نہیں بن پا رہی تھی۔ شوہر کا علاج تو دور کی بات کھانے کپڑے کا انتظام بھی مشکل ہو گیا تھا۔ گو عزت النساء کی زندگی خارش زدہ کتے کے سر کا زخم بن گئی تھی۔''

عزت النساء ایک مشرقی تہذیب یافتہ خاتون ہیں۔ وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ مشرقی سماج میں عورت کے جذبات کی کوئی قدر نہیں۔ ہمارے سماج میں عورت کے جذبات کا احترام کرنا شاید توہین سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سماج عورت سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے شوہر اور اس کے خاندان کی آبرو کو برقرار رکھے۔ اِسی سماج میں مرد اپنی ہتک کو پل بھر کے لیے برداشت نہیں کرتا لیکن عورت کو اپنی ہتک سہہ کر وفا شعار دیوی بن جانے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ سماج کا یہ طریقہ بھی عورت کو زیر کرنے کا ایک کارگر حربہ ہے۔ حسین الحق کا افسانہ ''ناگہانی'' سے محض ایک شوہر کے جبر و ستم اجاگر نہیں ہوتے بلکہ سماج کا مزاج اور عورت کی معاشرتی صورتِ حال سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔ پروفیسر صغیر افراہیم کا یہ خیال قابل غور ہے کہ:

> ''افسانہ ''ناگہانی'' نے مجھے خواتین کے تعلق سے از سر نو غور و فکر کی دعوت دی۔۔۔۔۔۔ مجموعی تاثر عورت کی قوتِ برداشت اور پاس و لحاظ کا جذبہ ہے۔ اس کے توسط سے افسانہ نگار شوہر، حالات، فطری خواہشات اور تہذیبی و معاشرتی جبر کو اجاگر کرتا ہے۔ قاری شدت سے محسوس کرتا ہے کہ جاگیردارانہ نظام میں مسلم معاشرے میں نہ جانے کیوں مرد کی انا نے اسے برابری کا درجہ نہیں دیا۔ بلکہ بالادستی اور برتری قائم رکھنے کے نئے نئے طریقے تلاش کیے۔''

(ص۔8، حسین الحق کے منتخب افسانے، مرتب: پروفیسر صغیر افراہیم، براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی 2019)

حسین الحق ایک روشن خیال فن کار تھے۔ اگرچہ ان کا تعلق ایک مذہبی اور صوفی خانوادے سے تھا لیکن وہ ذہن جدید کے مالک تھے۔ لہٰذا وہ انسان کو انسانیت کے تناظر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے میں عزت النساء کا کردار دیوی کا نہیں بلکہ انسان کا ترجمان ہے جو اپنی تمام نفسیاتی الجھنوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ عزت النساء اپنے ساتھ ہوئی بدسلوکی کا انتقامی جذبہ تو نہیں رکھتی اور نہ ہی شوہر کے ساتھ اسے کسی طرح کی ہمدردی ہے۔ مگر وہ اپنے شوہر جلال الدین کی طرح وحشی نہیں انسان ہے تبھی تو اس کی گندگی صاف کرتی ہے۔ مسائل سے گھری ہوئی عزت النساء اپنی زندگی میں بالکل تنہا تھی۔ ماں باپ رشتے دار سبھی پاکستان ہجرت کر گئے۔ شوہر مفلوج ہو گیا۔ بقول افسانہ نگار ''عزت النساء کی کل کائنات میں بس تین بچے تھے اور فالج زدہ شوہر!۔۔۔۔ ایسے ہی حالات میں لالہ ہری ہر پرشاد ان کے گھر آئے اور رفتہ رفتہ ان کی زندگی میں داخل ہو گئے۔ تنہائی کے آتش دان میں جل رہی عزت النساء ضرورت و حالات کے شیشے میں اترتی چلی گئی۔ بقول مشتاق احمد نوری:

> ''اگر عزت النساء کے ساتھ جلال الدین کی وفاداری، محبت، خلوص اور ایثار کی کچھ بھی مثال ہوتی تو شاید اس کے سہارے زندہ رہنے کی کوشش کرتی۔ لیکن اس کی یادوں میں تو صرف وہ باولا لڑکا تھا جو اس کی پرستش کرتا تھا جس کی جگہ لالہ ہری ہر پرشاد لے لیتے ہیں اور عزت النساء اس کے سحر میں خود کو گم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ شاید اسے اس بات کا علم ہے کہ مجبوری کے سمندر میں ضرورت کے مگر مچھ سے بیر نہیں رکھا جا سکتا۔''

(ص۔10-9، حسین الحق کے منتخب افسانے، مرتب: پروفیسر صغیر افراہیم، براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی 2019)

افسانہ نگار نے بڑے مہذب ڈھنگ سے عزت النساء کے کردار کو پیش کیا ہے۔ انھوں نے کہیں بھی فحش نگاری سے کام نہیں لیا اور نہ ہی اس میں جنسی تلذذ پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔ البتہ انھوں نے مذکورہ افسانہ میں فکر و فن کا مہذب مظاہرہ کیا ہے اور بڑی شائستگی سے معاشرے پر چوٹ کی ہے۔ حالانکہ اِس قبیل کے کئی افسانے دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن ان میں

موضوع سے زیادہ فحش نگاری اور جنسی تلذذ کے عناصر غالب ہیں۔شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ معاصر افسانہ نگار راتوں رات شہرت کی بلندیاں چھو لینا چاہتے ہیں یا پھر وہ افسانے کی دنیا میں منٹو سے آگے نکلنے کی ترکیب میں ہیں۔فکشن کی دنیا میں حسین الحق اپنے معاصرین کے برعکس نظر آتے ہیں۔ زبان و بیان میں وہ اخلاقی ضابطے اور مذہبی آداب کا خاص لحاظ رکھتے ہیں۔بقول پروفیسر اعجاز علی ارشد:

''ان کی افسانوں کی سب سے پہلی خوبی میرے خیال میں یہ ہے کہ ان کی زبان بہت عمدہ اور دلکش ہے جو اپنی تراش خراش اور Crafted Ornamentation کے باوجود رواں دواں اور فطری محسوس ہوتی ہے۔''

(ص۔78، حسین الحق کی افسانہ نگاری۔ایک جائزہ، مشتاق احمد نوری، ثالث، حسین الحق نمبر، مدیر: ثالث آفاق صالح، مونگیر بہار، جولائی۔دسمبر 2019)

معاصر افسانہ نگاروں میں حسین الحق ایک اہم فن کار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔چونکہ ان کے یہاں فن کے اظہار کی تکنیک بالکل اچھوتی ہے۔اپنی کہانی کی ترسیل کے لیے الفاظ کا استعمال وہ ایک مرصع ساز کی طرح کرتے ہیں جس سے کہیں بھی عریانیت ظاہر نہیں ہوتی اور اپنی پوری بات سلیقے سے بیان بھی کر دیتے ہیں۔مثال کے طور پر افسانہ'' ناگہانی'' کا یہ آخری اقتباس ملاحظہ کریں جس سے عزت النساء اور لالہ ہری ہر پرشاد کے درمیان رشتے کا باریک دھاگا نمایاں ہوتا ہے:

''لالہ آپ جائیے۔اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔''

عزت النساء نے ہاتھ جوڑلیا اور لالہ تڑپ گئے۔

''بس بی بی۔۔۔۔بس میں جاتا ہوں۔'' وہ آگے بڑھے پھر رک گئے۔آہستہ سے کہا''اسے لیتی جائیے''۔لالہ نے ایک پیکٹ ان کی طرف بڑھایا۔

کیا ہے؟

''مجھے اتنا تو یقین ہو گیا ہے کہ آپ میری شردھا ٹھکراتی نہیں ہیں۔'' لالہ کے لہجے میں ذرا سی شگفتگی تھی۔

عزت النساء آہستہ سے مسکرائیں۔۔۔۔''اچھا خدا حافظ!

دروازے کا قلابہ لگا کر عزت النسا اس کمرے میں آئیں جس میں نہ شوہر تھا نہ بچے۔انھوں نے پیکٹ کھولا۔ پیکٹ میں سب بچوں کے کپڑے کے ساتھ ایک ساڑی بھی تھی اور ایک لفافے میں پانچ سو روپے۔۔۔۔۔۔

خدا وندا! میں کیا کروں؟ عزت النساء آہستہ سے بڑ بڑائیں۔اس سوال کا جواب عزت النساء کو بھی نہیں مل سکا۔

البتہ لالہ ایک ہفتہ بعد آئے۔۔۔۔۔۔۔

لالہ نے ایک لفافہ ان کی طرف بڑھایا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے رات کے اندھیرے میں تحلیل ہو گئے۔

عزت النساء نے کمرے میں آکر اندھیرے میں لالٹین کی لو تیز کی۔

''میں خود کو مجرم محسوس کرنے لگا ہوں۔۔۔آپ کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھانے کا مجھے کوئی حق نہیں۔۔۔۔مجھے آپ کی خدمت کرنی ہے، وہ میں تاحیات کیے جاؤں گا۔اس خدمت کا اجر صرف آپ کی خوشی ہے۔۔۔۔۔۔مجھے بس تھوڑی سی سانس۔۔۔۔۔تھوڑی سی ہوا کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔

''پیلی کوٹھی بائی پاس روڈ پر، پہلے بائیں موڑ کی دوسری گلی کا آخری مکان۔

موجود رہنے کا وقت۔گیارہ بجے دن سے دوپہر دو بجے تک۔

بدھ اور اتوار۔۔۔۔۔

لالہ ہری ہر پرشاد۔

دوسرے دن اتوار تھا۔

بی بی عزت النساء تین بجے سہ پہر کے قریب گھر میں داخل ہوئیں۔وہ لالہ کی لائی ہوئی ساڑی پہنے ہوئی تھیں۔''

(ص۔29۔28، ناگہانی، حسین الحق، حسین الحق کے منتخب افسانے، مرتب: پروفیسر صغیر افراہیم، براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی، 2019)

لالہ ہری ہر پرشاد کی لائی ہوئی ساڑی کا پہن لینا اس بات کی علامت ہے کہ عزت النساء اور لالہ کے درمیان جو سانپ پھن کاڑھے کھڑا تھا اپنا جال بہت آہستگی کے ساتھ اور بہت مضبوطی سے بننے میں کامیاب ہو گیا۔عزت النساء اس جال کو توڑ نہ سکیں چونکہ ان کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ گھر پر فالج کا حملہ ہو چکا ہے۔

□□□

Darakhshan Khurshid
C/o Dr. Md Mashkoor Alam
Department of Urdu,
Banwarilal Bhalotia College
Ushagram,
Asansol-713313 (W.B)

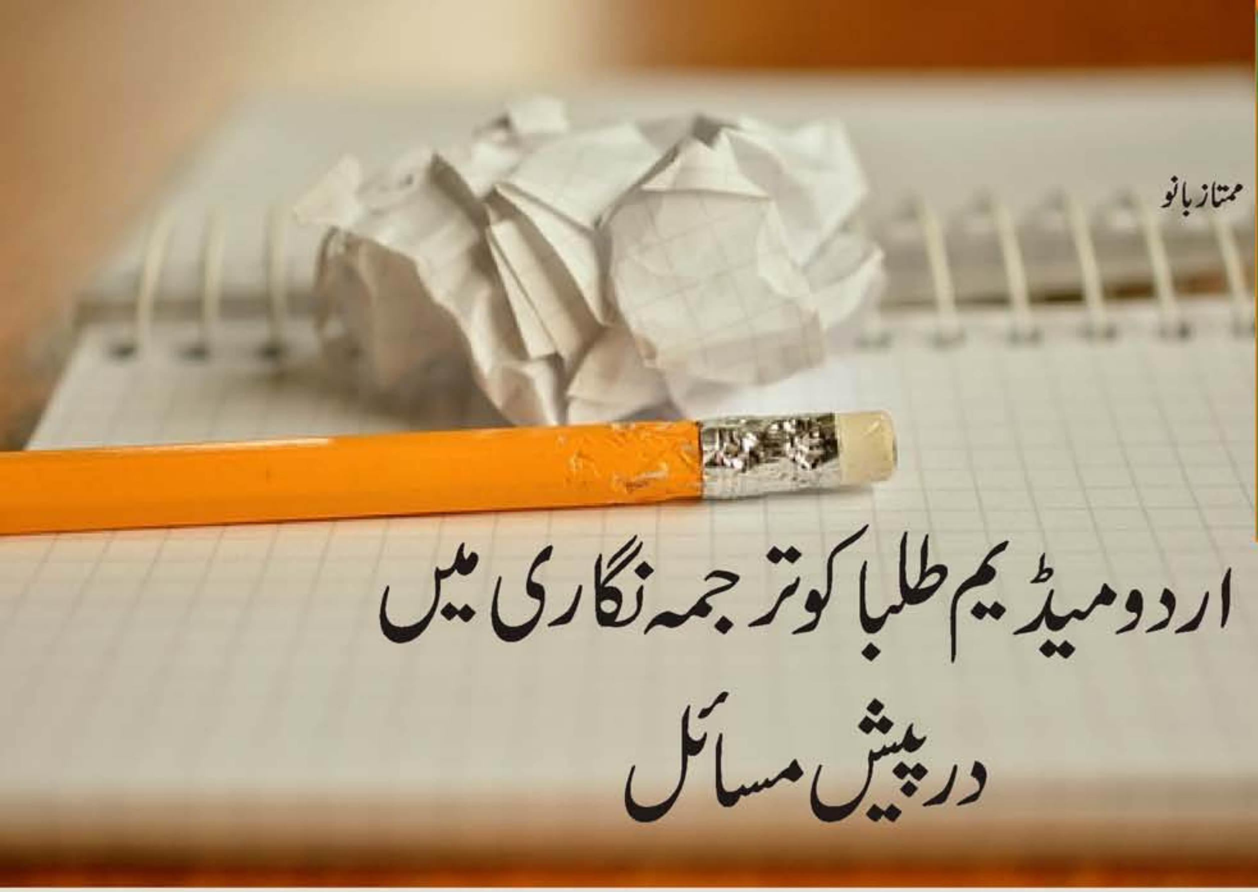

ممتاز بانو

اردو میڈیم طلبا کو ترجمہ نگاری میں درپیش مسائل

زبان جہاں ایک طرف باہمی بات چیت کا ذریعہ ہے تو وہیں دوسری طرف انفرادی اور اجتماعی شناخت کی علامت بھی ہے۔ معروف فرانسیسی ماہرِ عمرانیات Bourdeau کا کہنا ہے کہ معاشرے میں طاقت کا تعین کچھ سرمایے (Capitals) کرتے ہیں۔ ان میں معاشی سرمایہ، (Economic Capital) سماجی سرمایہ، (Social Capital) ثقافتی سرمایہ، (Cultural Capital) شامل ہیں۔ کلچرل کیپیٹل کا ایک حصہ لسانی سرمایہ (Linguistic Capital) ہے۔ سرمایہ کی اس بحث سے واضح ہے کہ کسی بھی معاشرے میں زبان سے آگاہی وہ لسانی سرمایہ ہے جس سے اس زبان کی طاقت کا تعین ہوتا ہے۔ لسانی سرمایہ میں ترجمہ نگاری کی بہت اہمیت ہے۔ اس سے زبان کی وسعت، گہرائی و گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ترجمہ نگاری کے لیے زبان کا صرف جاننا کافی نہیں ہے بلکہ زبان پر پوری دسترس بھی ضروری ہے۔ ترجمہ خود ایک مستقل فن ہے، اردو تو ایک باقاعدہ زبان بنی ہی ہے ترجموں کی بدولت لیکن ترجموں میں خاص طور سے غیر ذمہ داری برتی گئی ہے اور ایسے ترجمے ہوئے ہیں جو زبان کو عوام الناس سے قریب کرنے کے بجائے اس سے اور دور چلے جاتے ہیں۔

نیو ایج اسلام نیوز ڈیسک کے ایڈیٹر ڈاکٹر قیصر شمیم کے مطابق ترجمہ ایک فن ہے اور بعض ماہرین لسانیات نے اسے تخلیقی فن کا بھی درجہ دیا ہے، کیونکہ ترجمہ نگار متن کی عبارت کو محض ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل نہیں کرتا بلکہ اس کے معنی مرکزی خیال اور مجموعی تاثر کو اس تخلیقی فنکاری سے دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے کہ قاری متن کے تمام تاثرات، ثقافتی و تہذیبی سیاق و سباق سے واقف اور محظوظ ہوتا ہے۔ ترجمہ محض ایک جسم کو دوسرا لباس پہنا دینے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک جسم کے مقابلے میں بالکل ویسا ہی جسم تراش کر اسے دوسرے لباس میں اس طرح لے آنا ہے کہ دونوں قالبوں میں ایک ہی روح ہو۔ یہاں لباس، جسم اور روح سے مراد ترجمے کی زبان، اصل عبارت کا مرکزی خیال اور وہ تاثر ہے جو پڑھنے کے بعد دل و دماغ میں قائم ہوتا ہے۔ لیکن ترجمہ کرتے وقت ایک زبان کی بعض ایسی اصطلاحات ہوتی ہیں جو نہ صرف ایک خاص تہذیب کے پیش کردہ تصور کا اظہار کرتی ہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ان سے وابستہ دیگر اصطلاحات سے واقفیت ضروری ہوتی ہے۔

خشونت سنگھ نے اردو ہندی اور پنجابی کی کئی ادبی تخلیقات کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں درِخیبر، (حجاز) کے اور درہ خیبر، (پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر) کا فرق انھیں آسانی سے معلوم نہیں ہوسکا۔ نیز بحر ظلمات اور بحر اوقیانوس کے سمجھنے میں بھی انھیں دقت ہوئی۔

اس سے ترجمہ کی باریک بینی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔
موجودہ وقت میں جب پوری دنیا ایک گلوبل ولیج بن گئی ہے توگلوبلائزیشن کے اس دور میں انگریزی ایک اہم زبان کے طور پر ابھری ہے۔جس کی بڑی وجہ اچھی ملازمتوں کے حصول میں انگریزی سے آگاہی کی شرط ہے۔ مقابلہ جاتی امتحانات میں انگریزی کا علم بنیادی کردار ادا کرتا ہے ۔ ملازمتوں کے علاوہ اعلیٰ سطح کے تعلیم میں انگریزی کا کلیدی کردار ہے کیونکہ کتابوں اور جرائد کی بڑی تعداد انگریزی میں ہے۔ایسے میں اردو میڈیم طلبہ ترجمہ کی اہمیت واضح ہے۔ معیاری ترجمہ کے لیے مترجم کا ذولسانی ہونا ضروری ہے ساتھ ہی دونوں زبانوں کی روح ، ثقافت، مزاج اور لب و لہجے پر بھی قدرت ہونا ضروری ہے۔ موجودہ دور میں اردو میڈیم طلبہ کے لیے وسائل کی کمی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔
پروفیسر اشرف رفیع کے مطابق اردو زبان کی تاریخ لغت پر نظر کریں تو بظاہر ہمیں اورنگ زیب کے عہد میں عبدالواسع ہانسوی کی ایک مختصر سی اردو لغت کا پتا چلتا ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں اہل یورپ نے ذولسانی لغات تیار کیں۔ ان ہی اہل یورپ نے انیسویں صدی میں لغت نویسی کا کام فنی سلیقے کے ساتھ انجام دیا۔ ہندوستانیوں نے پہلے یک لسانی لغات تیار کیں، اس کے بعد جیسے جیسے اردو کا دائرہ کار بڑھنے لگا، ذولسانی اور سہ لسانی لغات کی ضرورت، شدت سے محسوس کی جانے لگی۔ بیسویں صدی میں لسان و ادب کے علاوہ سائنسی، فنی، قانونی، نظم ونسق، فلسفہ اور سماجی علوم کے تراجم کی ضرورت بڑھتی گئی۔
مولوی عبدالحق کی مشہور انگلش اردو ڈکشنری اورنگ آباد دکن سے شائع ہوئی تھی۔ اس سے مترجمین، اساتذہ اور طلبہ کی ضروریات کی تکمیل ہوتی رہی۔ رام نرائن لال کی Urdu-English Students Practical Dictionary اور فیروز اینڈ سنس لاہور کی اردو انگریزی لغت 1966 میں اور بشیر احمد قریشی کی اردو انگریزی لغت 1982ء میں منظر عام پر آئی۔ یہ ساری ڈکشنریاں شعبہ جاتی، علمی اور ادبی تراجم میں مصروف افراد کے لیے ناکافی ثابت ہوئیں۔ پچھلی صدی کے آخری ربع میں دکن کے ایک غیر معروف مگر اردو اور انگریزی کے مزاج داں، رمز آشنا یعقوب میراں مجتہدی کی ایک جامع اردو/ انگریزی لغت کئی لحاظ سے منفرد ہے اور عصری تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے۔
اب سے تقریباً دو سو سال پہلے ہی اٹھارہ سو بیالیس میں دہلی کالج میں باقاعدہ ترجمہ کا کام شروع ہوا اور سائنس و دیگر علوم کی اصطلاحیں بھی وضع ہونے لگیں اس کے لیے دہلی کالج میں مجلس اصطلاحات قائم ہوئی۔ اس نے ترجمہ اور وضع اصطلاحات کے لیے کچھ اصول مرتب کیے۔
1917 میں حیدرآباد دکن میں دارالترجمہ قائم ہوا تو اس کی وضع اصطلاحات کمیٹی کے لیے سید حسن بلگرامی نے بھی اصول مرتب کیے۔لیکن ان مذکورہ اصولوں کو سمجھنے میں ایک طالب علم کا ذہن قاصر ہے۔ان اصولوں کو سمجھنے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے زبان پر پوری دسترس ہونا اور مفہوم کی ماہرانہ سمجھ ہونا ضروری ہے۔ بازار میں ملنے والی انگریزی اردو ڈکشنریوں میں انگریزی الفاظ کے ساتھ ان کے اردو متبادل لفظ تو مل جاتے ہیں لیکن جملوں میں ان کے محل استعمال کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ طلبہ کو ترجمہ نگاری میں یہ بھی ایک بڑی دقت ہے جس کا مسلسل سامنا رہتا ہے۔
دنیا بھر میں تقریباً ہر بڑی زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے سوفٹ ویئر موجود ہیں۔ ان سوفٹ ویئرز کے ذریعے کسی نہ کسی حد تک ترجمے میں مدد تو مل سکتی مگر جامع ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ کمپیوٹر کی ترجمہ کاری اس لیے بھی ناکام ثابت ہوئی کہ زبان دو اور دو چار کی طرح کوئی حسابی فارمولہ بہر حال نہیں ہے۔
ترجمہ نگاری میں اردو میڈیم طلبہ کو درپیش چیلنجز مندرجہ ذیل ہیں:

اردو الفاظ کے انگریزی معنی اور مترادفات
الفاظ کا استعمال اور اس کی مثالیں
الفاظ کے ماخذ و مصدر
تذکیر و تانیث کی بالاستیعاب صراحت
اردو کے مقابل عربی، فارسی اور دیگر زبانوں کے مترادف الفاظ
محاورے اور روزمرہ کے مستعمل الفاظ
اردو الفاظ کے لیے انگریزی میں مستعمل لاطینی، یونانی، فرانسی، جرمن اور دیگر زبانوں کے الفاظ
انگریزی میں حروف رابط وجار (Prepositions) کے استعمال میں اکثر غلطیوں کا احتمال رہتا ہے
اردو، فارسی، عربی اور ہندی کے ضرب الامثال اور محاورے اور روز مرہ وغیرہ کے ہم معنی و مطلب انگریزی ضرب الامثال، محاورے
مستعمل مترادف الفاظ
اردو میں اصلاحات کی کمی

رسائل و جرائد کی کمی

اردو میں معیاری لغت کی عدم دستیابی

اردو میں درس وتدریس اور ترجمہ نگاری کے سلسلے میں جو ایک اور درپیش مسئلہ ہے وہ سماجی علوم کی کم فہمی۔ سماجی علوم، معاشرتی علوم، بشریات اور تاریخ کے مجموعی مطالعہ کے لیے مواد کی عدم دستیابی۔ اردو میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں نہیں ملتیں، اعلیٰ تعلیم کے لیے طلبہ انگریزی کتابوں کے محتاج رہتے ہیں، کسی خاص فن پر اعلیٰ ترین معلومات حاصل کرنے کے لیے اردو رسائل نہیں چھپتے اور اردو اخبارات ورسائل پڑھنے سے ہمیں تشفی نہیں ملتی، اردو میں سائنسی علوم کی اصطلاحات کا فقدان نظر آتا ہے اور ایسی کوئی مشاورتی کمیٹی نظر نہیں آتی جو اردو زبان میں سائنسی وسماجی علوم کی اصطلاحات پر کوئی مکمل لغت تیار کریں، ان وجوہات کی بنیاد پر طلبہ کو اردو زبان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم نہیں ہوتے۔

ایک مترجم میں مندرجہ ذیل صلاحیتیں ضروری ہوتی ہیں:۔

جس زبان سے ترجمہ کیا جا رہا ہے اس زبان کی لغت سے، اصلاحات اور محاوروں سے، کسی قدر ادبیات سے اور تھوڑی بہت تاریخ سے واقفیت اور نکھرا ہوا ذوق ضروری ہے۔

جس زبان میں ترجمہ کرنا ہے اس پر ماہرانہ عبور حاصل ہو۔

خیال اور مفہوم کی پوری ادائیگی کے لیے اصل موضوع سے مناسبت اور واقفیت ہو۔

ترجمہ نگاری کے لیے ضروری باتیں:۔

ماخذ کی زبان (Source language) یعنی وہ زبان جس سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا مقصود ہو تو عام طور پر مترجم کی مادری زبان نہیں ہوتی وہ زبان کو سیکھتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ ماخذ کی زبان کے ان تمام پہلوؤں سے واقف ہو جو ترجمہ کے لیے پیش کیے ہوئے متن میں ہیں یہ ان پہلوؤں کو الفاظ کے مناسب وموزوں انتخاب ترتیب اور رموز واوقاف کے استعمال سے اجاگر کر سکے۔

ہدفی زبان (Target language) یعنی جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے عام طور پر مترجم کی مادری زبان ہوتی ہے اور اپنی مادری زبان سے ترجمہ کرتا ہے ایک اچھے ترجمہ کے لیے ضروری ہے کہ مترجم تیز رفتاری اور صحت کے ساتھ ہدفی زبان کا استعمال اس طرح کرے جو زبان کے تقاضوں پر کھرا اترتا ہو۔ مترجم کو مترادفات کے معنوں میں فرق کی نزاکتوں یا ایک جیسے الفاظ کے معنوں میں اختلاف ان کے روزمرہ اور محاورے میں استعمال سے پیدا ہونے والے مفاہیم وغیرہ کا صحیح ادراک ہو۔

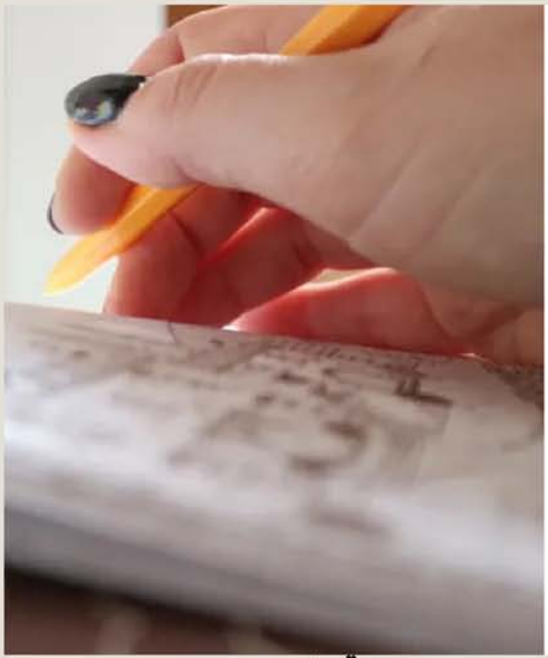

اطہر فاروقی اپنے تفصیلی مضمون ہندوستان میں اردو سیاست کی تفہیم نو میں لکھا ہے کہ۔۔عموماً اردو ذریعۂ تعلیم کے اسکولوں میں بھی سائنس اور حساب جیسے مضامین زیادہ تر انگریزی یا پھر ہندی اور کچھ صوبوں میں علاقائی زبانوں کے ذریعے پڑھائے جاتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن صوبوں میں اردو ذریعۂ تعلیم کا نظم موجود ہے وہاں بھی صرف سوشل سائنسز کے مضامین کے درس کا ذریعہ اردو ہے۔ کچھ صوبوں میں پرائیویٹ پبلشرز نے سائنس اور ٹکنالوجی کی اردو کتب شائع کی ہیں۔ ان میں اردو کی حیثیت صرف ذریعۂ امتحان تک محدود ہے کیوں کہ نصاب کی بیشتر کتابیں انگریزی اور علاقائی زبانوں میں ہیں۔ سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ اردو ذریعۂ تعلیم کو زیادہ سے زیادہ سیکنڈری سطح تک ہی اختیار کیا جا سکتا ہے نتیجتاً یونیورسٹی کی سطح پر اردو ذریعۂ تعلیم کے طلبہ علاقائی اور انگریزی ذریعۂ تعلیم کے طلبہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اگر وہ سیکنڈری درجات تک علاقائی زبان کو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے اختیار کرتے ہیں تو اردو ہاتھ سے جاتی ہے اور اگر اردو ذریعۂ تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں تو دیگر زبانوں خصوصاً انگریزی طلبہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

طلبہ میں مہارت پیدا کرنے کے لیے سب سے اہم اور ضروری

چیز اس زبان کی تعلیم ہے۔ دنیا کی تمام بڑی زبانیں اس لیے ترقی کی راہ پر گامزن ہیں کیونکہ وہ باقاعدہ تعلیم سے جڑی ہوتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے درس وتدریس کی سطح پر اردو کو سخت مشکلات کا سامنا ہے، جبکہ تعلیمی نظام ہی اردو کے ہمہ جہتی فروغ کا ضامن ہے۔ اردو میڈیم طلبہ کو ترجمہ نگاری کے فن میں ماہر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ نصاب میں اخلاقیات صحت وتندستی، کھیل کود، جدید سائنسی ترقی اور ایجادات، دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے سماجی، معاشی اور جغرافیائی حالات، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی اہمیت وافادیت، جنرل نالج، جذبہ خیر سگالی اور ہمدردی، آپسی میل جول اور اپنے ملک کے تاریخی، سماجی، جغرافیائی، معاشی، اقتصادی حالات وواقعات وغیرہ جیسے مضامین شامل کیے جائیں۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ترجمہ نگاری کے لیے ضروری ہے کہ ترجمہ جس زبان سے اور جس زبان میں کیا جارہا ہے دونوں پر اردو میڈیم طلبہ کو عبور حاصل ہو اور دونوں زبانوں کی ساخت مزاج تہذیبی پس منظر اور روزمرہ وغیرہ کی اچھی واقفیت ہو۔ ترجمہ لفظ کا نہیں مفہوم کا کیا جاتا ہے۔ عام طور پر ڈکشنریوں میں ایک ہی لفظ کے کئی کئی معنی دے دیے جاتے ہیں اور عبارت کی سیاق وسباق کے مطابق طلبہ کو صحیح اور برمحل لفظ کا استعمال کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیئے ضروری یہ ہے کہ طلباء کو دونوں زبانوں کی استعداد اور استعمال کی پوری سوجھ بوجھ پیدا کی جائے۔

اردو میڈیم اسکول کے بچوں/طلباء کے لیے ترجمہ نگار ماہر اساتذہ کی ضرورت

1- بہترین مواد کی ترجمہ نگاری جو دیگر زبانوں میں موجود ہے ان کا اردو میں معیاری ترجمہ کیا جانا ضروری ہے، ترجمہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ ترجمہ ہر عام وخاص اور طلباء کے لیے بھی مفید ہو اور ساتھ ہی جس زبان سے اردو میں ترجمہ کیا جارہا ہے اس زبان میں جو کہا جارہا ہے وہ بھی پوری طرح سے واضح ہو، ترجمہ زبان کے اصولوں پر پوری طرح کھڑا اتر رہا ہو۔

2- ہر بچے/ طالب علم کی ذہنی استعداد کے حساب سے معیاری تعلیم دینا ضروری ہے۔ ذہنی استعداد کو مدنظر رکھ کر تعلیم دی جائے گی تو طلباء اسے پوری دلچسپی اور دلجوئی سے سیکھیں گے، طالب علم روزمرہ کی ضرورتوں میں بھی اسی قالب میں ڈھل جائیں گے جس سے ان کی نشوونماء باسانی ہوسکے گی، اور پھر ترجمہ نگاری میں طلباء میں دلچسپی کو فروغ ملے گا۔

3- ترجمہ نگاری کی مدد سے بچوں اور دوسرے طلباء کے تخیلاتی اور جمالیاتی احساسات کو فروغ دینا بے حد ضروری ہے۔ تاریخی، سماجی، جغرافیائی، معاشی، اقتصادی حالات وواقعات وغیرہ جیسے مضامین کے تراجم کرانے سے بچوں کے تخیلاتی اور جمالیاتی احساسات کو فروغ ملے گا۔ جو مضامین بچوں کی دلچسپی کے ہوں ان کا ترجمہ کرانا بھی سودمند ثابت ہوگا۔

4-Reading and Reflecting on text متن کو پڑھنا اور غور کرنا(کی صلاحیت کو فروغ دینے کے لیئے بہترین مواد کی ترجمہ نگاری کو فروغ دینا چاہیے، اس سے طلبہ میں غور وفکر کے ساتھ ساتھ عبارت کو سمجھنے اور اس کے موافق ایک معیاری ترجمہ کرنے کی صلاحیت کو بیدار کیا جاسکتا ہے۔

□□□

Mumtaz Bano
Assistant Prof.
Dept. of Teacher Training & Non-Formal
Jamia Millia Islamia
New Delhi-110025
Mob:9891108933

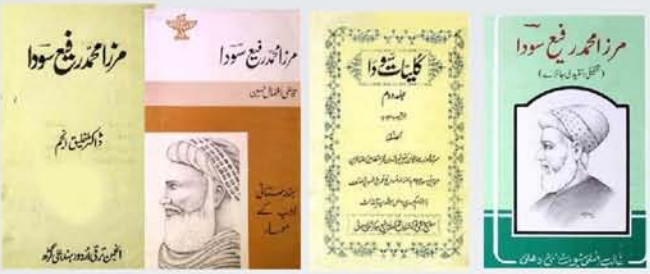

غزالہ شیریں

مرزا محمد رفیع سودا کی مرثیہ نگاری کی خصوصیات

مرثیہ اردو شاعری کا بیش بہا سرمایہ ہے۔ یہ ایک ایسی شعری صنف ہے جس میں غزل کی سادگی اور سوز و گداز، قصیدے کی عظمت اور شان و شوکت، مثنوی گوئی کی جدت اور حدت کے ساتھ ساتھ، رزم و بزم کی مرقع کشی، فطرت نگاری، انسانی رشتوں اور تعلقات کی ترجمانی، حق اور باطل کی جنگ وغیرہ غرض سب ہی کچھ شامل ہے یعنی اس ایک صنف میں ہم ساری اصناف کا عکس محسوس کر سکتے ہیں اور اس سے حظ اٹھا سکتے ہیں اردو شاعری میں بے شمار مرثیہ گو شاعر گزرے ہیں جنھوں نے اس میدان میں نمایاں مقام اور بلند مرتبہ حاصل کیا ہے مرثیہ گو شاعروں کے جم غفیر میں ایک بڑا اور اہم نام مرزا محمد رفیع سودا کا ہے۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ مرزا محمد رفیع سودا اردو و فارسی زبان کے ایک جلیل القدر شاعر اور ادیب گزرے ہیں جن کی منثور و منظوم خدمات نے اردو ادب کو گراں قدر بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ مرزا محمد رفیع سودا اپنے زمانے سے لے کر اب تک ادبی دنیا میں ممتاز اہمیت کے حامل قرار دیئے جاتے رہے ہیں وہ ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے اردو ادب کی سب سے مشکل صنف یعنی قصیدہ گوئی میں نئے معیار اور میزان قائم کئے اور ایسا معیار قائم کیا کہ ان کے رفیقوں اور شاگردوں میں کوئی دوسرا ان کی بلندی کو نہ پہنچ سکا۔ مرزا سودا نے ہجو گوئی اور طنز و مزاح کے میدان میں بھی اپنے قلم کا زور دکھایا اور دوسروں پر فوقیت لے گئے۔ اس نادر العصر شخصیت نے منقبت، سلام، قطعات، اور مثنوی پر بھی طبع آزمائی کی اور غزلیں بھی لکھیں اور سب میں اپنی انفرادی شان کو برقرار رکھا۔ ان سب کے ماسوا انھوں نے بہترین اور اعلیٰ قسم کے مرثیہ لکھ کر بھی ادبی دنیا میں نیا رنگ بھرا۔ وہ قصیدہ کے شہنشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین مرثیہ نگار بھی تھے انھوں نے اس فن کو بھی ایک انفرادی رنگ عطا کرنے کی کامیاب کوشش کی اور اپنی اس کوشش میں صد فی صد کامیاب بھی رہے۔

مرزا محمد رفیع سودا کابلی پٹھان تھے۔ تجارت کے سلسلے میں آپ

کے بزرگ ہندوستان کو سونے کی چڑیا سمجھ کر یہاں آئے تھے ۔ مرزا سودا دہلی میں پیدا ہوئے ۔انھوں نے گھر سے ہی اپنی تعلیم کی ابتداء کی اور عام بچوں کی طرح تعلیم حاصل کی ۔ آپ بچپن سے ہی نہایت ذکی اور ذہین تھے ۔شعر و شاعری میں آپ شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے ۔ استاد کی مہربانی اور کرم فرمائی، اور خود سودا کی ذاتی محنت نے جلد ہی ان کو ایک اچھے شاعر کی حیثیت سے معاصرین میں روشناس کرا دیا۔ شاہ عالم بادشاہ نے مرزا سودا کی شہرت سن کر سودا کو بطور استاد مقرر کر لیا۔ اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ جب آپ کی شہرت لکھنؤ تک پہنچی، تو لکھنؤ کے نواب، نواب شجاع الدولہ نے آپ کی شہرت سن کر آپ کو برادر من مشفق مہربان من لکھ کر اپنے پاس طلب کیا۔ لیکن مرزا سودا نے لکھنؤ جانے سے صاف طور پر انکار کر دیا اور مندرجہ ذیل رباعی کہہ کر پر حسن معذرت کی۔

سودا پئے دنیا تو بہرسو کب تک
آوارہ ازیں کوچہ بآں کو، کب تک
حاصل یہی اس سے نہ کہ دنیا ہووے
بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر کب تک

لیکن قسمت کے لکھے کو بھلا کون مٹا سکتا ہے۔ دہلی تباہ و برباد ہو گئی ۔شاہ عالم کا زمانہ بگڑ گیا اور آہستہ آہستہ ہر چیز تہہ وبالا ہوتی چلی گئی تو مرزا محمد رفیع سودا مجبور ہو کر نواب شجاع الدولہ کے دربار سے وابستہ ہو گئے ۔ مرزا سودا طبیعت کے بڑے خوددار اور ذوق سلیم میں یکتائے عصر تھے۔ نواب شجاع الدولہ کے بعد جب آصف الدولہ تخت نشین ہوئے تو انھوں نے مرزا سودا کو خوب نوازا اور سالانہ وظیفہ بھی مقرّر کر دیا اور اس طرح انھوں نے ایک فارغ البال زندگی بسر کی اور 1781 میں مرزا سودا نے لکھنؤ ہی میں وفات پائی اور مرزا آغا باقر کے امام باڑے میں مدفون ہوئے ۔ آپ کی قبر کی لوح پر مصحفی کا مندرجہ ذیل مصرع تاریخ کندہ ہے۔

''سودا کجاو آن سخن دلفریب او''

مرزا سودا کے تمام آثار میں علم و معانی کا ایک جہان آباد ہے ۔ انھوں نے دوسری شعری اصناف کی طرح اردو مرثیہ نویسی میں بھی گراں قدر کارنامے انجام دیے ہیں ۔ اگر ان کے مرثیوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو اس میں سب سے پہلی اور اہم چیز یہ نظر آتی ہے کہ اس شعری صنف میں انھوں نے غزل کی طرح سادگی و سلاست اور سوز و گداز پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے ۔ مرزا محمد رفیع سودا نے مرثیہ نگاری میں بھی اپنی انفرادی شان و شوکت قائم کرنے میں کبھی کوئی کوتاہی اختیار نہیں کی ۔ حالانکہ انھوں نے اس صنف سخن میں بہت زیادہ اضافہ یا جدّت تو نہیں پیدا کی ہے البتہ اس کے باوجود اپنا ایک جداگانہ رنگ اور انفرادی آہنگ ضرور قائم کیا ہے۔ جس کو ان کے بعد کے عظیم مرثیہ گو شعراء جیسے ضمیر ، خلیق ، انیس و دبیر نے بھی اپنانے میں فخر محسوس کیا ہے۔ اردو مرثیہ نگاری کی ارتقاء میں سودا کی حیثیت اس سنگ میل کی ہے جو ایک واضح اور روشن راستے کے تعین میں مددگار ہے ۔ یہ درست ہے کہ مرزا محمد رفیع سودا نے مرثیہ نگاری کے نہ تو ابتدا کی ہے اور نہ ہی اس صنف کو اس کی انتہا پر پہنچایا ہے لیکن اس صنف سخن کی ہیئت اور مواد میں ان کے تجربات بہت اہم اور تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔

مرزا محمد رفیع سودا نے مرثیہ گوئی کی شروعات کب اور کہاں سے کی ۔اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ محققین اس بارے میں اپنے الگ الگ نظریات پیش کرتے ہیں۔ کچھ دانشوروں کا کہنا ہے کہ انھوں نے مرثیہ کہنے کی شروعات دہلی سے ہی کر دی تھی ۔ جب کہ کچھ لوگ ان کے مرثیہ نگاری کا ابتدائی زمانہ دہلی کے بجائے لکھنؤ کو مانتے ہیں ۔ مرزا سودا نے بھی اس سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں کی ہے ۔ لیکن اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں لوگوں نے مرزا سودا کے مرثیوں پر سخت اعتراضات اور ایرادات وارد کیے تھے۔ جیسا کہ خلیق انجم نے اپنی کتاب **''مرزا محمد رفیع سودا''** میں لکھا ہے:

> ''سودا کے ابتدائی مرثیے فن کے کچھ اچھے نمونے نہیں تھے۔ اس لیے بعض لوگ سودا کے مرثیوں پر اعتراض کرتے تھے۔ اور بعض لوگ انھیں مرثیہ گوئی کا اہل ہی نہیں سمجھتے تھے۔''

(مرزا محمد رفیع سودا، خلیق انجم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، صفحہ 322)

مرزا محمد رفیع سودا کے مرثیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد حسین آزاد ''آب حیات'' میں لکھتے ہیں:

> ''مرثیے اور سلام بھی بہت کہے ہیں اس زمانے میں مسدس کی رسم کم تھی اکثر مرثیے چومصرع ہیں۔ مگر مرثیہ گوئی کی آج کی ترقی دیکھ کر ان کا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ شاید انھیں مرثیوں کو دیکھ کر اگلے وقتوں میں مثل مشہور تھی کہ ''بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا گویا مرثیہ خواں''۔

(آب حیات، محمد حسین آزاد، رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور، بار ہشتم 1913، صفحہ 156)

اسی طرح شیخ چاند مرزا سودا کے مرثیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اس میں شبہ نہیں کہ سودا کے مرثیوں میں مرثیت بڑی حد تک مفقود ہے۔ مرثیے کی بڑی غرض وغایت غم انگیز مضامین کو رقت خیز پیرائے

میں بیان کر کے رلانا ہے۔سودا کی مراثی میں یہ جوہر نہیں ہے۔"
(سودا، شیخ چاند مرحوم، انجمن ترقی اردو پاکستان بابائے اردو روڈ۔ کراچی صفحہ 287)

خود مرزا محمد رفیع سودا نے بھی "سبیل ہدایت" میں ذکر کیا ہے کہ کس طرح سیّد محمد تقی ان کے مرثیوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

شعر کے قاعدے کے موجب ہم
کہنے لاگے تھے مرثیہ کم کم

سو زبانی تمھاری اے مخدوم
ہوا اپنے تئیں کو یہ معلوم

مرثیہ وہ جسے عوام الناس
روئیں سن سن پڑھیں جب ان کے پاس

اور سودا کا مرثیہ سن کر
چپ ہی رہ جاؤں ہوں میں سر دھن کر

کیسی ہی طرح کوئی اس کی بنائے
لیکن اس پر کبھو نہ رونا آئے

بارہا یہ سخن ہوا ظاہر
حق میں بندے کے غائب و حاضر

سچ ہے یہ مجھ کو مرثیے ڈھب
نہیں آتا وہ جس سے رو دیں سب

مرزا محمد رفیع سودا کی خوددار اور غیور طبیعت کو یہ ہرگز بھی گوارا نہ ہوا کہ وہ یوں ہی خاموش رہ جاتے۔ لہٰذا انھوں نے کافی محنت اور مشقت کے بعد بہت کم وقت میں مرثیہ گوئی کی صنف پر عبور حاصل کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ اس میں بہت سے نئے نئے تجربات شامل کیے۔ بلکہ ہمارے بعض محققین کا تو یہ بھی ماننا ہے جن میں علامہ شبلی جیسے بڑے عالم شامل ہیں کہ مرثیے کو پہلی بار مرزا سودا ہی نے مسدّس کی شکل عطا کی تھی۔ مولانا شبلی نے "موازنہ انیس و دبیر" میں مرزا سودا کی مرثیہ نگاری کی اہمیت اور اولیت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اس وقت مرثیے میں عموماً چار مصرعے ہوتے تھے۔ غالباً سب سے پہلے مرزا سودا ہی نے مسدس لکھا۔"
(موازنہ انیس و دبیر، شبلی نعمانی، شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری گیٹ لاہور، صفحہ 20۔)

اس کے علاوہ اثر لکھنوی نے اپنی کتاب **"انیس کی مرثیہ نگاری"** میں بھی مرزا محمد رفیع سودا ہی کو صنف مسدس کا بانی قرار دیا ہے ان کے نزدیک سودا کو صنف مرثیہ میں فوقیت اور عظمت حاصل ہے وہ اس سلسلے میں اپنی رائے قلم بند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جہاں تک تحقیق ہو سکی سودا ہی پہلا شاعر تھا جس نے صنف مسدس میں مرثیہ کہا۔"
(انیس کی مرثیہ نگاری، مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی، دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ، مارچ 1951، صفحہ 6)

حالانکہ اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے کہ بعض محققین اور مفکرین مرثیہ نگاری کے فن میں مرزا محمد رفیع سودا کی اولیت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ بہر حال حقیقت کچھ بھی ہو یہ الگ بحث کا موضوع ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مرزا سودا نے فن مرثیہ کو ایک انوکھی شان اور نئی تر و تازگی ضرور بخشی ہے۔ مرزا محمد رفیع سودا انسانی نفسیات کے نبّاض تھے اور ان کی یہ خصوصیت ان کے مرثیوں میں بھی با آسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ مرزا محمد رفیع سودا، مرثیہ نویسی کو نہ تو اپنے فن کے کمالات کے اظہار کا وسیلہ سمجھتے تھے اور نہ ہی آمدنی کا ذریعہ مانتے تھے۔ بلکہ وہ تو یہ مانتے تھے کہ اگر واقعات کربلا کو سنا کر سامعین کو رلا سکیں تو یہ ایک ثواب کا کام ہے۔ جس کا اجر انھیں قیامت کے دن ملے گا۔ جیسا کہ انھوں نے اپنے اشعار میں بھی جا بجا اس کا اظہار کیا ہے ذیل میں ان کے کچھ اشعار قلم بند کیے جا رہے ہیں جو میرے مذکورہ بالا دعویٰ کی تصدیق کے لیے کافی ہیں:

سودا اب چشم محباں کو ہے یہ نظم جلا
پاوے گا اس کا محمد سے تو محشر میں صلا
تجھ کو جنت میں ہر اک بیت پہ گھر دیں گے ولا
سننے سے جس کے یہ اشک آنکھوں سے آتا ہے چلا
سن کے اس مرثیے کو بزم میں جو رو دے گا
آب چشم اس کا گناہوں کو تری دھو دے گا

مرزا محمد رفیع سودا کے مراثی پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں شہدائے کربلا سے شدید محبت اور دلی عقیدت تھی اور جب وہ اپنے دل میں موجزن اس محبت کا اظہار کرتے ہیں تو وہ خود بھی روتے ہیں اور اپنے ساتھ ساتھ سامعین کو بھی رلاتے ہیں ان کی کہی ہوئی ہر بات گویا سننے اور پڑھنے

والوں کے دلوں پر نقش ہو جاتی ہے اب ذیل میں ان کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے جن میں ان کے جذبات کی شدت کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے:

عابدیں کہتے ہیں اے پروردگار
ایک بھائی کو بھی رکھتا روزگار
یکدگر اس وقت ہوتے غمگسار
روتے آپس میں گلے لگ زار زار

لے برادر تا پدر عم ابن عم
غرق لو ہو میں پڑے ہیں یک قلم
بہہ گئی دریائے خوں میں ہے ستم
کشتئی آل نبی آمانجھ دھار

جا چچا نے بر لب آب فرات
آب کی خاطر کیا قطع حیات
باپ کے سقّے نے کاٹے پاؤں ہات
پانی کی تو بھی نہ پہنچی منہ میں دھار

باپ کو میرے محمد یک زماں
دیکھتے تنہا نہ زیر آسماں
ذبح کر ڈالا یہ بیکس کر کے واں
جس جگہ کوئی نہ یاور ہے نہ یار

مرثیہ نگاری ایک مشکل فن ہے اور ہر کس و ناکس اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا مرزا ان عظیم فنکاروں یا شاعروں میں سے ہیں جن کے سامنے الفاظ کی ایک پوری دنیا دست بستہ کھڑی نظر آتی ہے وہ جس طرح چاہیں ان سے کام لے سکتے ہیں اب ذیل میں ان کے ایک اور مرثیے کے چند اشعار نقل کر رہی ہوں جن میں حضرت امام کی شہادت پر اس طرح ''بین'' کرتے ہیں کہ سننے والا بے اختیار ہو جاتا ہے اور بے ساختہ اس کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب رواں ہو جاتا ہے:

کریں نہ اہل جہاں کس طرح سے شیون و شین
سروں کو اپنے نہ پیٹے سو کیوں وہ کر کے بین
ہوا ہے آج کے دن قتل کربلا میں حسینؓ
یہ تعزیہ ہے رموز خدا کے محرم کا

بڑا کیا تھا محمدؐ نے جس کو گود میں پال
پھرے تھا ساقی کوثر کے دوش پہ مہ و سال
گیا جہاں سے پیاسا وہ فاطمہ کا لال
عطش ہے تن سے ہوئی روح کی سبب رم کا

یہ درست ہے کہ مرزا محمد رفیع سودا نے معاصرین شاعروں کے مقابلے بہت ہی کم مرثیے کہے ہیں لیکن ان کے تمام مرثیے ادبی، تہذیبی اور تاریخی اعتبار سے اردو ادب کا ایک بیش قیمت اور ناقابل فراموش خزانہ ہے جس کی ارزش اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ قبلاً بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ مرزا محمد رفیع سودا کے مرثیوں میں قصیدے کی شان وشوکت، مثنوی کا تسلسل و ترتیب، رباعی کی سلاست و بلاغت اور منظر نگاری و واقعہ نگاری کا حسن، غرض سبھی کچھ موجود ہے جو ان کے ایک بہترین مرثیہ نگار ہونے کا شاہد ہے۔ ان کے یہاں مرثیوں میں فکر انگیزی، مضمون آفرینی، تخیل کی بلندی کی جو مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں وہ ان کے معاصرین مرثیہ گو شاعروں کے یہاں بمشکل ہی کہیں اور دیکھنے کو ملیں گی۔ حالانکہ ان کے اشعار میں یہاں مبالغہ بھی ہے اور تکلف اور تصنع بھی۔ لیکن ان تمام تر لوازمات کے باوجود بھی انھوں نے کہیں اعتدال کا دامن اپنے ہاتھوں سے نہیں جانے دیا ہے۔ انھوں نے اپنے مرثیوں کے ذریعے اردو زبان کا دامن بھی کشادہ اور وسیع کیا ہے اور اس فن کو عظمت اور بلندی تک پہنچانے کے لیے سخت محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے اور وہ اکثر مواقع پر اپنی تمام کوششوں میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

□□□

Ghazala Shireen
Research Scholar
Department of Arabic and Persian
University of Allahabad
Prayagraj-211002 (U.P)
Email: ghazalashireen95@gmail.com

اپیل

ماہنامہ خواتین دنیا آپ کا اپنا رسالہ ہے۔ رسالے کے مشمولات کے حوالے سے اپنی گرانقدر رائے سے ضرور نوازیں۔ میگزین میں شائع ہونے والے مضامین، عنوانات اور مختلف ادبی شخصیتوں کی نشاندہی کے تعلق سے اپنے خیالات کا اظہار کریں تا کہ رسالے کو مزید بہتر بنانے میں ہمیں مدد مل سکے۔ (ادارہ)

غزلیں

فوزیہ اختر ازکیٰ

پرفتن دور میں جینے کی دعا دیتے ہیں
آپ کس جرم کی ہم کو یہ سزا دیتے ہیں

نور ہو شمس و قمر کا کہ بہارِ خنداں
سب کا انجام فنا ہے یہ پتا دیتے ہیں

فاصلے سے ہی تعلق کو غنیمت جانیں
جو قریب آئیں وہ اک روز دغا دیتے ہیں

زندگی رب کی عطا ہے مگر ہم پر افسوس
ہم اس انعام کو نفرت میں گنوا دیتے ہیں

جانے کب کھول دے مولیٰ درِ رحمت اپنا
اسی امید میں ہر آن صدا دیتے ہیں

آنکھ میں اشکِ ندامت لیے آئی ازکیٰ
بخش دیتے ہیں خطا رب کہ سزا دیتے ہیں

Fauzia Akhter Azka
1st Floor 8B, Dent Mission Road
Khidderpur
Kolkata-7000023 (W.B)
fauziapinty786gmail.com

رقیہ مظفر پوری

ہے دیس کے ہر فرد کا محبوب ترنگا
ہے سب سے جدا اور بہت خوب ترنگا

دھڑکن ہے کروڑوں تُو دھڑکتے ہوئے دل کی
تجھ سے ہے دل و جان یہ منسوب ترنگا

تو آج فلک بوس بلندی پہ ہے رقصاں
عاشق ہوئے کتنے ترے مصلوب ترنگا

دامن کو ترے پھولوں سے بھرنا ہے یہی کام
اول سے رہا ہے یہی اسلوب ترنگا

مرتی ہے رقیہ تو دل و جان سے اُس پر
پہنے ہے جو ملبوس بہت خوب ترنگا

Rokaiya Khatoon
D/O: Abdul Wahab
Vill- Dharampur Narayan Urf Tehai
Po- Rampur Hari
Ps- Minapur
Dist- Muzaffarpur-843117(Bihar)

سنجیدہ بانو

یومِ آزادی

یوم آزادی
پرکھوں کی نشانی ہے جس میں
ہم سب کو آزادی دلائی
وہ کہانی ہے اس میں
شہر در شہر محبت کی فراوانی تھی
سارے الفاظ نئے تھے، بات پرانی تھی
ہر طرف شہر میں خوابوں کی ترجمانی تھی
دل کے جذبات میں پھولوں کی روانی تھی
مل جل کے رہتے تھے سب آپس میں یہاں
حال ایک دوسرے کا پوچھ کے سب خوش ہوتے تھے یہاں
دیش گاندھی کا، جواہر کا اور بھگت سنگھ کا ہے
جہاں اشفاق، حکمت اللہ نے بھی
گیت وطن کے گائے ہیں
ایسے دیوانے جنھوں نے جان لٹادی اپنی
جنہوں نے جان کی بازی کی ہولی کھیلی ہے
اقبال، میر، غالب، چکبست، فیض اور جوش نے
اپنی غزلوں سے سجایا ہے جس کو
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب بھائی تھے
ایسا دیش ہمارا تھا
سب اسے اپنی محبت کا وطن کہتے تھے
کوئی کبیر، کوئی خسرو، کوئی رسکھان کا دیوانہ تھا
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سب بھائی تھے
وقت کے ساتھ زمانے نے ایسی کروٹ بدلی
ایسا بدلے کہ!
کوئی ایک دوسرے کا روادار نہ رہا
ایک دوسرے کی محبت کا طلبگار نہ رہا
اپنے ماضی کی طرف آؤ پلٹ کر دیکھیں
اپنے پرکھوں کی کتابوں کو الٹ کر دیکھیں
کس قدر قیمتی سرمایہ گنوا بیٹھے ہیں
اپنی کشتی کو موجوں سے لڑا بیٹھے ہیں
اب یہ سوچا ہے کہ زمانے کو بدل دیں گے ہم
آج جو کچھ بھی ہوا ہے اسے کل نہ ہونے دیں گے ہم
آؤ ایک دوسرے سے ہاتھ ملالیں ہم
اس رواداری کو پھر سے زندہ کردیں
کوئی ہندو ہو، مسلم ہو، کسی قوم کا ہو
سب کو سینے سے لگالیں یہی نعرہ ہو
یہ دیش ہمارا ہے، یہ دیش ہمارا ہو!!

Sanjida Bano
47, Chhoti Bazar
Fatehpur- 212601 (U.P)
Mob: 9236464353
Sanjidabano610@gmail.com

فرخندہ ضمیر

راہ حیات

میری بہنوں، حقوق اللہ کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ چاہے تو بندے کے سارے گناہ معاف کر سکتا ہے، لیکن حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک بندہ معاف نہ کرے تب تک اللہ بھی معاف نہیں کرتا۔ میری بہنوں، اس لیے کسی کا دل مت دکھاؤ، کسی کی حق تلفی مت کرو، کسی کے ساتھ ناانصافی نہ کرو، اگر اس بندے نے تمھیں معاف نہ کیا تو تم راندۂ درگاہ ہو جاؤ گے'' حجن بی کی آواز ان کا لہجہ، ان کا بیان اتنا پر تاثیر تھا کہ خواتین مبہوت ہو کر سن رہی تھیں۔ ان کے دل و دماغ پر پڑے ہوئے پردے سرک رہے تھے۔

حجن بی کا نورانی چہرہ ان کے گرد روشنی کا ہالہ سا بنا دیتا۔ ان کا پروقار انداز لب و لہجہ، غمزدہ دلوں کو راحت و سکون دیتا۔ خواتین ان کا وعظ سننے اور اپنی پیتا سنانے دور دور سے چلی آتیں۔ وہ انھیں صبر کی تلقین کرتیں اور اللہ کے کلام کا کوئی ورد بتاتیں اور پانی پر دم کر کے دے دیتیں۔ اللہ کے کرم سے بیماری میں افاقہ ہوتا۔ ان کی زبان میں اتنی تاثیر تھی کہ صرف یا شافع کہنے سے بھی مریض کو شفا ہو جاتی۔ حجن بی کے مدرسے میں لڑکیاں ذوق و شوق سے حدیث و قرآن کا درس حاصل کرتیں۔ انھیں دنیاوی تعلیم سے بھی آشنا کیا جاتا تاکہ وہ زندگی کے مشکل مقام پر کسی کی محتاج نہ رہیں اور اپنی عزت کا سودا نہ کرنا پڑے اور کچھ پروفیشنل کورس بھی کرائے جاتے۔ جمعہ کے دن وہ درس دے کر نوافل سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آکر بیٹھی تھیں کہ دو خواتین کی آمد کی اطلاع بواصغرا نے آکر دی۔ وہ باہر برآمدے میں آگئیں۔ خواتین میں سے ایک جوان خوبصورت لڑکی کہنے لگی۔ ''آپ کی شہرت سن کر میں بڑی امید کے چراغ جلائے آپ کے پاس آئی ہوں۔ میرے حق میں بھی دعا کر دیں کہ میری سونی گود بھر جائے۔ در و دیوار سے کلکاریاں گونجیں۔ میرے آشیانے میں بہار آجائے۔''

حجن بی نے اس کے لہجے کے کرب کو محسوس کیا کہ اولاد کی نعمت سے محرومی، عورت کو کن مسائل سے دوچار کرتی ہے وہ سمجھ سکتی تھیں۔ اس کی زندگی کی ویرانی کو دور کرنے کے لیے انھوں نے کاغذ پر زائچہ بنانے کے لیے اس کے والدین اور اس کے شوہر کے والدین کا نام پوچھا۔ شوہر کا نام صفدر اور اس کی والدہ کا نام شہزادی بیگم سن کر کاغذ پر چلتا ہوا قلم رک گیا۔ نظر اٹھا کر اس عورت کو دیکھا۔ ستواں ناک، کشادہ پیشانی، غلافی آنکھیں، سرخ سپید رنگت کی پرکشش عورت تھی۔ دل کی نازک رگیں ٹوٹنے لگیں، لیکن جذبوں پر کمند ڈال کر پانی پر دم کیا اور دوسرے دن آنے کے لیے کہا اور خود اپنے کمرے میں بند ہو گئیں۔ ایک درد جگر میں اٹھا، آنکھوں کے گوشوں سے چند موتی نکل کر فرش پر گر گئے۔

یہ ماضی کیوں آواز دیتا ہے، جس ماضی کو وہ پیچھے چھوڑ آئی تھیں جسے یاد کرنے سے بھی انھیں تکلیف ہوتی تھی۔ وہ آج پھر ان کے سامنے ان کے زخموں کو کرچی کرچی کر گیا تھا۔ اس ناتواں دل کو کتنی مشکل سے انھوں نے سنبھالا تھا۔ کتنی سنگلاخ راہوں سے گزر کر اس پرسکون کنج

میں یادِ الٰہی میں غرق ہوگئی تھیں۔ پھر یہ دھواں کہاں سے اٹھا۔ دل میں درد سا ہوا۔ کنپٹیوں کی رگیں تن گئیں۔ حلق خشک ہونے لگا۔ پاس میں رکھی بوتل سے غٹا غٹ پانی پیا۔ کچھ تقویت ملی۔

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

نہ چاہتے ہوئے بھی ماضی کا ایک ایک لمحہ جاوداں ہوگیا۔ ذہن کی اسکرین پر فلم چلنے لگی۔

میرب اپنے والدین کی پری تھی۔ بڑا بھائی جمال اس کے ناز اٹھاتے نہیں تھکتا تھا۔ سب کی لاڈلی لیکن اتاں کا پیار سختی مائل تھا۔ دادی جان کے قول پر عمل کرتی تھیں کہ ”کھلائے سونے کا نوالہ لیکن دیکھے قہر کی نگاہ“ جب تک کچی عمر نہ نکل جائے اور مزاج میں پختگی نہ آجائے“ وہ موسم بہار کا شگفتہ پھول تھی کہ جس کی خوبصورتی گلشن میں بہار لے آتی۔ وہ جہاں بھی جاتی منفرد نظر آتی۔ وہ کمسن اور معصوم تھی۔ کالج میں قدم رکھا تو کئی لڑکے اس کی ایک نظر کے منتظر رہتے، اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتے۔ اس کی کلاس فیلو نیلی کا بھائی روحان اکثر اس کا راستہ روک کر حالِ دل سنانے کے لیے بے چین رہتا، لیکن میرب نے اس کے قدموں کو بڑھنے نہیں دیا۔ نیلی اپنے بھائی کی دیوانگی کو دیکھ کر اس کے لیے راہیں ہموار کرنے کی کوشش میں اس کے سوئے ہوئے جذبات کو بھڑکاتی۔ آخر کار میرب کمسن نوخیز کلی تو تھی کب تک روحان کے آنکھوں کے پیغام کو مسترد کرتی۔ وہ رئیس باپ کا بیٹا تھا اس کا ڈریسنگ سینس، اس کا اسٹائل، اس کی چمچماتی ہوئی کار، اس کے انداز واطوار سے وہ متاثر ہوگئی۔ لیکن کبھی حد سے تجاوز نہیں کیا۔ اس احتیاط کے ساتھ ملتی کہ کسی کو خبر نہ ہو، لیکن بھلا عشق اور مشک چھپائے چھپے ہیں۔ عشق اندھا ہوتا ہے، لیکن زمانے والوں کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں۔ ماں اولاد کے انداز واطوار سے بھانپ گئی۔ میرب کا گھنٹوں آئینہ کے سامنے کھڑا رہنا، بات بے بات مسکرانا، خیالوں میں گم رہنا، فون پر لمبی باتیں۔ ممّی نے اس کی کلاس لے ہی لی۔

”کیوں آج کل خیالوں میں گم رہتی ہو۔ قدم رکھتی کہیں اور وہ پڑتے کہیں اور ہیں“ امّی کے تحکمانہ انداز سے وہ ڈر گئی۔ ماں کی جہاں دیدہ آنکھوں سے کچھ چھپ نہیں سکتا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سچ بتادیا۔

”کمبخت وہ رئیس لوگ ہیں اور ہم مڈل کلاس۔ کیا وہ ہم سے رشتہ کرنا پسند کریں گے؟“

”ہاں امی روحان نے مجھ سے وعدہ کیا ہے“ میرب نے شرماتے ہوئے کہا۔ ”روحان سے کہہ اپنے گھر والوں کو رشتہ کے لیے بھیجیں۔ ورنہ تیرا کالج جانا چھڑا دوں گی۔“ امی نے سختی سے کہا۔

میرب نے روحان کو یہ پیغام دیا۔ روحان نے اپنے والدین کو رشتہ کے لیے بھیجنے کا جلد ہی وعدہ کیا۔ لیکن روحان کے والدین کو نہ آنا تھا نہ آئے، طبقاتی دیوار جو حائل تھی۔ میرب روحان سے روز یہی سوال کرتی۔ روحان روز اس سے وعدہ کرتا۔ آخر کار روحان کے والدین کو بیٹے کی خاطر اس کے گھر آنا پڑا، لیکن رشتہ جوڑنے کے لیے نہیں بلکہ ان کی تضحیک کے لیے، وہ اپنے والدین کی تذلیل سے دل برداشتہ ہوگئی۔ اسے اپنی اور اپنے والدین کی عزت نفس بہت عزیز تھی۔ اس نے عہد کرلیا کہ وہ روحان سے کبھی نہیں ملے گی اور روحان سے قطع تعلق کرلیا۔ لیکن روحان نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اس کی بکھری شخصیت میرب کے قدموں کو متزلزل کردیتی، لیکن اپنے آپ کو کمزور نہیں پڑنے دیا اور صدق دل سے اپنے والدین کی رضا سے صفدر کے دل و در کو آباد کرنے آگئی۔

لیکن یہ کیا صفدر بھی ایک ٹوٹے دل کا مالک تھا۔ اس نے اپنے عشق کی داستان کو کتنی آسانی سے میرب کے روبرو گوش گزار کردیا کہ کس طرح اس کی کزن نے اس کی محبت کو ٹھکرا کر رئیس زادے کا ہاتھ تھام لیا اور پھر صفدر اس امر کو سمجھ گیا تھا کہ دولت کی فراوانی ہی کامیاب زندگی کی ضامن ہے اور یوں صفدر بھی اے کلاس کنٹریکٹر بن گیا۔

میرب نے کشادہ بانہوں سے اس کے کرچی کرچی وجود کو سمیٹ لیا کہ عورت کی یہی معراج ہے۔ اس کا گھر اس کا شوہر اس کی آخری آماجگاہ اور آرام گاہ ہے۔ شادی وہ مقدس رشتہ ہے جہاں اصل عشق کی معراج طے ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ہم سفر بنتے ہیں۔

اس نے صفدر سمیت صفدر کی والدہ اور بہن کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ سب اس کے حسن سلوک کے مدّاح ہوگئے۔ صفدر کے بے قرار دل کو قرار آ گیا تھا۔ لیکن پچھلی محبت کے نقش پا کو وہ بھلا نہیں سکا تھا۔ کسی تقریب میں حورم کو دیکھ لیتا تو کئی دن تک اس پر قنوطیت طاری رہتی اور پھر دولت کی فراوانی کے لیے نئے نئے پروجیکٹ لیتا۔ ایسے میں میرب اس کی دلجوئی کرتی اسے ماضی کی سنگلاخ راہوں سے حال کی سرسبز وادیوں میں لے آتی۔

لیکن اس سرسبز وادی کو ایک ایسی دیو کی نظر لگ گئی جو اس کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار رہتا تھا، جس ماضی کو اس نے کبھی تصور میں بھی آواز نہیں دی تھی۔ وہ اس کے سامنے آکر اس کی ہنستی بستی زندگی کو ویران کر گیا۔ اس منحوس شام کو ایک تقریب میں روحان اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور پھر

ہر موڑ پر وہ اس کے سامنے آنے لگا۔صفدر کے دل و دماغ میں شک کے ناگ سر اٹھانے لگے۔ میرب روحان کے سائے سے بھی کترا کر نکل جانا چاہتی تھی۔ وہ ہر وقت اسی تگ و دو میں رہتی کہ روحان سے کبھی سامنا نہ ہو۔ دن رات کی اس کی کشمکش میں اس سے کئی غلطیاں سرزد ہو جاتیں۔ صفدر دیکھ رہے تھے کہ میرب کے دل و دماغ میں مطابقت نہیں ہے۔ وہ پریشان، کھوئی کھوئی سی رہتی ہے۔ کرتی کچھ ہوتا کچھ ہے۔

آخر کار روحان کے قدموں کو روکنے کے لیے اس نے فون سے رابطہ کیا۔لیکن روحان اسے یوں خوش و خرم دیکھ کر احساسِ محرومی کا شکار ہو گیا۔ وہ یہ بھول گیا کہ میرب کسی اور کے گلشن کا پھول ہے۔ روحان آج کے دور کا عاشق تھا جو صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ عشق کے انداز بدل گئے ہیں۔ اب وہ قربانی، وفا، ایثار کا جذبہ معدوم ہو چکا ہے۔

میرب کے فون سے اسے رابطہ کرنے کا موقع مل گیا۔ وقت بے وقت اس کے کال آنے لگے اور میرب کا خون سوکھنے لگا۔ میرب کی حالت غیر ہوتی جارہی تھی، ہر لمحہ ایک دھڑکہ لگا رہتا۔ اس کی بکھری بکھری شخصیت سے سب ہی متاسف تھے کہ جسم میں بھی کچھ تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ اس کی طبیعت کسلمند رہتی، وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ عورت کمزور لیکن فراخ دل ہوتی ہے، مرد کی ساری خطائیں معاف کر دیتی ہے، لیکن مرد نہیں کرتا۔

طبیعت کی گرانی بڑھتی جارہی تھی۔ چیک اپ کے بعد جب ڈاکٹر نے خوشیوں کی نوید سنائی۔ مامتا کا تصور ہی اتنا خوبصورت ہے کہ میرب ہر لمحہ اپنے بچّے کے خیالی پیکر میں جیتی۔ موسم سرما ختم ہو گیا۔ پت جھڑ کا موسم شروع ہو گیا تھا۔ گلستاں میں کمزور اور پیلے پتوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔ دن ویران سے تھے کہ ایک شام اچانک روحان اسمیک کے نشہ میں لان میں آکر ہریانی انداز میں چیخنے لگا۔

''میرب تم میری محبت ہو، میں تمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' میرب تو سفید پڑ گئی۔ زندگی کی سب سے بڑی بھول آج تماشا بن گئی تھی۔ روحان کو جیسے تیسے دھکے دے کر صفدر نے باہر نکالا۔ لیکن اب تیروں کی بارش اس کے وجود پر برسنے لگی۔ نشتر کا زخم بھر جاتا ہے، لیکن زبان کا زخم نہیں بھرتا۔ اس کی ساس، نند، صفدر سب اٹھتے بیٹھتے، اسے ذلیل کرتے۔ اس کے والدین کو فون کر کے ذلیل کرتے ''یہ کردار ہے آپ کا، ہمیں دھوکہ دیا، ایک آوارہ لڑکی کو ہمارے گھر کی بہو بنا دیا۔ اگر ہمارے وارث کو پیدا کرنے والی نہ ہوتی تو ہم کبھی فارغ کرتے'' میرب اپنے کردار کی پاکیزگی کی گواہی دیتے دیتے تھک گئی۔ لیکن بے سود یہ معاشرہ عورت کی ایک ادنیٰ سی غلطی کو کبھی فراموش نہیں کرتا، جو شوہر اس کی رفاقت کا دم بھرتا تھا، وہ بے حِس ہو گیا تھا۔ اس نے صفدر کے پیر پکڑ کر معافی مانگی، لیکن اس نے معاف نہیں کیا۔ اس ظالم نے اتنی بے رخی سے ٹھوکر ماری کہ درد کی ایک تیز لہر اٹھی اور اس کا ناتواں وجود اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

جب اسے ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایک خیراتی ہسپتال میں پایا۔ اس کی گود اس کی خوشیاں سب اجڑ چکی تھیں۔ اس کے پاس کوئی عزیز نہیں تھا۔ اس نے نرس سے التجا کر کے اپنی والدہ کو فون لگایا تو ان کی کرخت آواز سنائی دی۔

میرب کے فون سے اسے رابطہ کرنے کا موقع مل گیا۔ وقت بے وقت اس کے کال آنے لگے اورمیرب کا خون سوکھنے لگا۔ میرب کی حالت غیر ہوتی جارہی تھی ، ہر لمحہ ایک دھڑکہ لگارہتا۔ اس کی بکھری بکھری شخصیت سے سب ہی متاسف تھے کہ جسم میں بھی کچھ تبدیلیاں رونما ہورہی تھیں۔ اس کی طبیعت کسلمند رہتی، وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ عورت کمزور لیکن فراخ دل ہوتی ہے، مرد کی ساری خطائیں معاف کردیتی ہے، لیکن مرد نہیں کرتا۔ طبیعت کی گرانی بڑھتی جارہی تھی۔ چیک اپ کے بعد جب ڈاکٹر نے خوشیوں کی نوید سنائی۔ مامتا کاتصور ہی اتنا خوبصورت ہے کہ میرب ہر لمحہ اپنے بچّے کے خیالی پیکر میں جیتی۔ موسم سرما ختم ہوگیا۔ پت جھڑکا موسم شروع ہوگیاتھا۔ گلستاں میں کمزور اور پیلے پتوں کاڈھیر لگ گیاتھا۔ دن ویران سے تھے کہ ایک شام اچانک روحان اسمیک کے نشہ میں لان میں آکر ہریانی انداز میں چیخنے لگا۔

''تم ہمارے لیے مر گئیں۔ کاش پیدا ہوتے ہی مرجاتیں تو یہ بدنامی نہ ہوتی'' ادھر سے فون رکھ دیا۔ میرب فون کو دیکھتی رہ گئی۔ جب والدین کا یہ حال تھا تو صفدر کو فون کرنا بیکار تھا۔

آسمان بے رحم اور زمین سخت، جائے تو جائے کہاں؟ اس کے

آنسو تواتر سے بہنے لگے۔ چلچلاتی دھوپ میں آبلہ پا چلتی رہی۔ نہ کوئی منزل نہ منزل کا نشاں۔ پورا جسم درد کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ ایک پیڑ کے نیچے تھک کر بیٹھ گئی۔ کہاں جاؤں، یااللہ میری مدد کر۔

اچانک اذان کی روح پرور آواز آئی۔ سامنے نظر اٹھا کر دیکھا تو کسی ولی کی درگاہ تھی۔ اسی سمت قدم بڑھادئے۔ فرش پر لگا ماربل دھوپ کی تپش سے جل رہا تھا۔ ایک طرف خواتین کے لیے عبادت خانہ تھا۔ وہاں جا کر دیکھا تو کچھ خواتین عبادت میں مشغول تھیں۔ ایک طرف ٹھنڈے پانی کا کولر رکھا تھا۔ ٹھنڈے پانی کے کئی گلاس پی گئی تب جا کر کچھ جان میں جان آئی۔ کچھ دیر دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔

سامنے کے نل سے وضو کیا اور پھر اپنے مالک حقیقی کے آگے سربہ سجود ہو گئی۔ ''اے مالکِ دوجہاں تو دلوں کے حال جانتا ہے۔ تو جانتا ہے کہ میں بےقصور ہوں میں نے اپنے رشتہ میں کوئی خیانت نہیں کی ہے۔ میں اپنوں کے ذریعہ ٹھکرائی گئی بےبس عورت ہوں جاؤں تو جاؤں کہاں۔ اس بےآب وگیاہ دنیا میں نہ کوئی سائبان، نہ کوئی ٹھکانہ۔ میری عزت و حرمت کو بچالے میرے مولا۔''

میرب موتی رولتی رہی۔ آنسوؤں کے نذرانے پیش کرتی رہی۔ شام اترنے لگی، پیڑوں کے سائے لمبے ہونے لگے۔ قوال حضرات عقیدت کے نذرانے پیش کرنے لگے:

کشتیاں سب کی کنارے پر پہنچ جاتی ہیں
ناخدا جن کا نہیں ہوتا ان کا خدا ہوتا ہے

(امیر مینائی)

دوسرے مصرعہ کی گردان قوال حضرات بار بار کر رہے تھے۔ میرب بھی زیرلب یہی جملہ دہرائے جارہی تھی۔ سجدہ میں سر تھا، لب پر دعائیں تھیں۔ سجدے زمین پر ہوتے ہیں اور دعائیں عرشِ بریں تک جاتی ہیں۔

اچانک اسے اپنے شانے پر کسی ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔ سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھا۔ سپید دوپٹے کے ہالے میں ایک نورانی چہرہ اس سے مخاطب تھا۔

''میں تمھیں دیکھ رہی ہوں تم بہت پریشان لگ رہی ہو۔''

نہ جانے کیوں ان کے لہجہ کی نرمی اور صداقت نے میرب کو متاثر کیا۔ اور اس نے اپنی بپتا ان کے گوش گزار کردی۔ اس مہربان ہستی نے اس کے بکھرے وجود کو سمیٹ لیا۔ اسے پناہ دی۔ بی اماں نزدیک کے ہی پرفضا قصبہ میں ایک مدرسہ چلاتی تھیں اور درس وتدریس کے فرائض انجام دیتی تھیں۔ وہ جاگیردار گھرانے کی چشم وچراغ تھیں۔ سبھی عزیز رشتہ دار داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ ایک بیٹا تھا جو بیرونی ممالک میں تھا۔ وہ اکثر آکر اپنی والدہ کا حال احوال پوچھ لیتا تھا۔ بی اماں اپنی سرزمین چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں اس لیے انھوں نے تعلیم نسواں کے لیے مدرسہ کھول لیا۔ قصبہ میں بہت عزت تھی۔ بی اماں کے نام سے مشہور تھیں۔

''نہ جانے کیوں ان کے لہجہ کی نرمی اور صداقت نے میرب کو متاثر کیا۔ اور اس نے اپنی بپتا ان کے گوش گزار کردی۔ اس مہربان ہستی نے اس کے بکھرے وجود کو سمیٹ لیا۔ اسے پناہ دی۔ بی اماں نزدیک کے ہی پرفضا قصبہ میں ایک مدرسہ چلاتی تھیں اور درس وتدریس کے فرائض انجام دیتی تھیں۔ وہ جاگیردار گھرانے کی چشم وچراغ تھیں۔ سبھی عزیز رشتہ دار داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ ایک بیٹا تھا جو بیرونی ممالک میں تھا۔ وہ اکثر آکر اپنی والدہ کا حال احوال پوچھ لیتاتھا۔ بی اماں اپنی سرزمین چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں اس لیے انھوں نے تعلیم نسواں کے لیے مدرسہ کھول لیا۔ قصبہ میں بہت عزت تھی۔ بی اماں کے نام سے مشہور تھیں۔''

مدرسہ میں ہر ہفتہ خواتین کا اجتماع ہوتا تھا جہاں دینی مسئلہ مسائل سے انھیں آگاہ کیا جاتا۔ بی اماں کے لہجہ کی لطافت اور نرمی خواتین کے دل پر اثر کرتی۔ وہ انھیں صبر کے ساتھ صوم وصلوٰۃ کی پابندی کی تلقین کرتیں۔ کچھ پڑھنے کے لیے ورد بتادیتیں۔ وہ حیات طیبہؐ کا ذکر اس انداز میں کرتیں کہ خواتین عشق رسول مقبولؐ سے سرشار ہوجاتیں۔ میرب پر ان کی صحبت کا اثر ہوا۔ وہ بھی ان کے رنگ میں درود و وظائف، درود وظائف، درس وتدریس میں وقت صرف ہونے لگا۔ بےقرار دل کو قرار آنے لگا۔ دل سے ساری کدورتیں مٹ گئیں۔ اللہ نے اس کی کشتی کو کنارے لگادیا۔ کبھی کبھی دل سے ایک ٹیس اٹھتی۔ موت تک انسان کو ماضی سے فرار ممکن نہیں۔ میرب نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔

نماز کے بعد مجلس میں اسے قرآن وسنت کی روشنی میں خواتین کے کردار وافکار پر روشنی ڈالنی تھی۔

موسم خوشگوار تھا۔ حدِنگاہ تک ہری مخملیں چادر بچھی ہوئی تھی۔ مدرسے کے کھلے احاطے میں ہار سنگھار کے نارنگی پھول کی چادر سبزے پر بہت دلفریب منظر پیش کر رہی تھی۔ لیکن میرب کا دل اس حسین منظر سے بھی پرسکون نہیں تھا۔ جب دل کا عالم ہی خراب ہو تو حسین منظر بھی دل نہیں بہلاتے۔ آج پھر دلِ ناشاد کو وہ صفدر ہرجائی، اس کے عزیز بہت یاد آرہے تھے۔

اس نے تسبیح اٹھائی اور ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل'' کا ورد کرنا شروع کیا تاکہ دل کو سکون وقرار حاصل ہو۔ تبھی ایک گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ اس میں سے جو افراد وارد ہوئے۔ تسبیح کے دانوں پر چلتی انگلیاں رک گئیں۔ ادھر بھی یہی کیفیت تھی۔ سب گنگ تھے۔

صفدر کی والدہ اور اس کی بہن کے چہرے پر سائے سے لہرا گئے۔ نگاہ اٹھانا مشکل ہو گیا۔ میرب نے اپنے حواس مجتمع کیے۔ سلام کیا اور کرسی سے اٹھ کر صفدر کی والدہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر حال میں لے آئی۔ میرب اب کسی اور ہی دنیا کی باسی تھی۔ اب دل کی سرزمین پر کیکٹس نہیں محبت کے پھول اُگ گئے تھے۔ صفدر کی بیوی اور بہن بھی پیچھے آگئیں۔

''امی یہی حجن بی ہیں جن کی دعاؤں اور وظائف سے میری سونی گود میں امید کی کرن روشن ہوئی ہے۔''

ماحول کی خاموشی کو صفدر کی بیوی کی آواز نے توڑا۔

صفدر کی والدہ اور اس کی بہن کے چہرے پر سائے سے لہرا گئے۔ نگاہ اٹھانا مشکل ہو گیا۔ میرب نے اپنے حواس مجتمع کیے۔ سلام کیا اور کرسی سے اٹھ کر صفدر کی والدہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر حال میں لے آئی۔ میرب اب کسی اور ہی دنیا کی باسی تھی۔ اب دل کی سرزمین پر کیکٹس نہیں محبت کے پھول اُگ گئے تھے۔ صفدر کی بیوی اور بہن بھی پیچھے آگئیں۔ صفدر کی بیوی بہت خوش تھی۔ مٹھائی کا ٹوکرہ اور بہت سے تحائف لائی تھی۔ جسے میرب نے لینے سے انکار کر دیا ''انھیں غریبوں میں تقسیم کر دیں۔''

سپید دوپٹے کے ہالہ میں میرب کا پرنور پاکیزہ چہرہ صفدر کی والدہ اور بہن کی نگاہوں کو حیران کر گیا۔ ایک تقدّس تھا۔ پشیمانی کے موتی ان کی جبینوں پر چمکنے لگے۔ اس کے کردار پر کیچڑ اچھالنے والے آج گنگ تھے۔ ''او میرے خدایا۔''

سست روی سے واپس ہوتے قدموں کو میرب دیکھ رہی تھی۔ کچھ ہی لمحوں بعد صفدر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ صفدر اس کے چہرے کے تقدّس کو دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحہ کو نظریں ملیں۔ تلاطم برپا ہوا لیکن پھر شانت ہو گیا۔

''میرب تمھیں بے آسرا کر کے ہم بہت پریشان رہے۔ اللہ نے مجھے سزا دی۔ میرا سارا کاروبار ٹھپ ہو گیا میں خود بے آسرا ہو گیا۔ مجھے معاف کر دو۔ میں تمھارا گنہگار ہوں۔ میں نے تمھیں بہت تلاش کیا۔ لیکن تم نہ ملیں۔''

میرب نے دیکھا یہ وہی ظالم شخص تھا۔ جس نے اس کی ایک بھول کی اتنی بڑی سزا دی تھی۔

''میرب میں تمھیں کس منہ سے کہوں کہ گھر چلو میں تمھارا گنہ گار ہوں۔'' صفدر جیسا مضبوط آدمی اس کے آگے آنسو بہا رہا تھا۔

''صفدر میں ساری کشتیاں جلا کر اس وادی میں آئی ہوں۔ میری کشتی کو میرے مالک نے ساحل پر لگا دیا ہے۔ اب واپسی ممکن نہیں۔ مجھے راہِ حیات مل گئی۔

تمام عمر سہاروں کی آس رہتی ہے
تمام عمر سہارے فریب دیتے ہیں
سب سے بڑا سہارا اللہ کا ہے۔

صفدر ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح واپس چلا گیا۔ اس کی والدہ اس کا بھائی، دوسرے دن ہی اس کے سامنے کھڑے تھے۔ لیکن اس نے انھیں بھی انکار کر دیا کہ راہِ حیات تو اب ملی تھی۔

□□□

Prof. Farkhanda Lodi
Arbab Mantion
H.No. 805/13,Azad Nagar,
khanpura,
Ajmer-305002 (Rajasthan)
farkhandalodi@gmail.com

ریشمہ قمر

انتظار کے لمحے

چمچماتی کار دیکھ کر یوسف کی آنکھوں میں ایک الگ ہی چمک اُمڈ آئی۔ وہ کالے رنگ کی خوبصورت لگژری کار اور تو اور وہ کار رموٹ کے ذریعہ چلتی بھی تھی۔

یوسف اُس کار کو ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا جس سے راجو بابا کھیل رہے تھے کہ اچانک کھیلتے کھیلتے وہ رموٹ سے چلتی کار یوسف کے قدموں کے پاس آرکی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کار کو اٹھاتا، راجو بابا نے اسے زور سے دھکا دے کر فرش پر گرا دیا اور اس پر برس پڑا......

''تمھاری ہمت بھی کیسے ہوئی میری کار کو چھونے کی۔''

اور پھر کار کو اٹھاتے ہوئے حقارت سے بھرے لہجے میں بولا......

''تم نے تو ایسی کار پہلے کبھی دیکھی بھی نہ ہوگی۔''

چھ سالہ یوسف نے واقع اتنی مہنگی اور خوبصورت کار کبھی نہیں دیکھی تھی۔

''یوسف! او، یوسف''......اس سے پہلے راجو بابا یوسف کا معصوم دل مزید اور زخمی کرتا باہر سے یوسف کی ماں کی آواز آئی جو اپنی مالکن کے سارے کام نپٹا کر گھر جانے کے لیے اسے پکار رہی تھی۔

یوسف نے ایک بار پھر حسرت بھری نظروں سے کار کو دیکھا اور باہر آگیا۔

''اماں چھوٹے مالک کے پاس ایک خوبصورت سی کار ہے''...... یوسف نے ماں کو کار کی تعریف کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں بیٹوا میں نے دیکھا ہے''......ماں یوسف کو چمکارتے ہوئے بولی۔

''اماں وہ خود سے چلتی بھی ہے''...... یوسف اس کار کی مسلسل تعریف کیے جا رہا تھا۔ راستے بھر یوسف اس کار کی تعریف کرتے نہ تھک رہا تھا۔ گھر پہنچتے ہی یوسف اپنے دل میں چھپی خواہش کو زبان تک لے ہی آیا۔

''اماں! اماں''...... ''مجھے بھی وہ چمچماتی کار لینی ہے''......یوسف نے نہایت معصومیت سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''تیرے پاس ایک کار تو ہے نا! جو پچھلے ہفتے تجھے مالکن نے دی تھی۔''

''نہیں اماں، مجھے اب وہ کار اچھی نہیں لگتی، وہ تو بہت پرانی ہے اور

تو اور اس کے پہیئے بھی ٹوٹے ہوئے ہیں، مجھے تو چھوٹے مالک کی طرح نئی کار لینی ہے جو اشارہ پاتے ہی چلنے لگتی ہے۔''

''چل لے کھانا کھا، میں نے آج تیرے لیے تیری پسند کی دال روٹی بنائی ہے''...... ماں نے یوسف کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''اماں! کہو ناں، مجھے وہ کار دلا دو گی نا''...... یوسف دوبارہ اپنی ضد پر اتر آیا۔

''نہ بیٹوا وہ کار خریدنے کی ابھی میری اوقات نہ ہے۔''

''اماں ہم وہ کار کیوں نہیں خرید سکتے؟''...... یوسف امیری اور غریبی کے فرق سے بے خبر ماں سے مسلسل اصرار کیے جا رہا تھا۔

''چل تو کھانا کھا بہت بولنے لگا ہے آج کل''...... ماں نے کھانے کی پلیٹ یوسف کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں اماں مجھے کھانا نہیں کھانا، مجھے تو چھوٹے مالک کی طرح کار لینی ہے''...... یوسف کی زبان پر بس ایک ہی رٹ تھی۔ کار اور چمچماتی کار......!

آخر کار ماں نے جھنجھلا کر ایک زوردار چانٹا یوسف کے نرم و نازک رخسار پر جڑ دیا جس سے اس کا گلابی چہرہ اور بھی سرخ پڑ گیا اور وہ سامنے پڑی چارپائی پر سسکتے سسکتے سو گیا۔

صبح جب آنکھ کھلی تو یوسف کا سارا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ ماں نے پانی کی پٹی لگائی اور پھر بیٹے کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولی......

''تجھے چھوٹے مالک کی طرح کار چاہیے نا!، میں تمھیں ضرور دلاؤں گی۔''

یہ سن کر یوسف کا مرجھایا ہوا چہرہ کھل اٹھا۔

دو سال قبل یوسف کے گھر میں رونق ہی رونق تھی۔ علی جو اس گھر کا واحد مرد تھا خوب محنت کرتا۔ شام تک اتنا ضرور کما لاتا کہ بیوی بچے سیر ہو کر کھا سکے۔ پھر اچانک ایک روز علی کو دل کا ایسا دورہ پڑا کہ وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ علی کے انتقال کے بعد یوسف اور اس کی ماں کی زندگی آہستہ آہستہ تاریکی کے گوشے میں دھنستی چلی گئی۔ گھر میں جو تھوڑے بہت جمع پیسے تھے اس سے کچھ ماہ کا راشن چلا، کچھ رشتہ داروں اور محلے والے نے مدد کی۔ گویا جیسے تیسے کر کے چار ماہ کی عدت پوری کرنے کے بعد جب گھر میں فاقے پڑنے لگے تو یوسف کی ماں کام ڈھونڈنے نکل گئی مگر سوئی قسمت کہیں کام نہ مل سکا۔

وہ روزانہ اپنے معصوم بچے کو گود میں اٹھائے کام ڈھونڈنے کے لیے محلے کے بڑے بڑے گھروں میں جاتی لیکن ساتھ میں بچہ دیکھ کر کوئی بھی اسے کام پر رکھنے کو تیار نہ تھا۔ دس گھروں میں چکر کاٹنے کے بعد بالآخر ایک گھر میں اسے کام مل ہی گیا۔

''اماں !اماں میرے لیے وہ کار کب خرید کر لاؤ گی؟''............ یوسف روزانہ اپنی ماں سے سوال کرتا اور ماں کچھ دن کا دلاسہ دے کر ٹال جاتی۔

آخر کار وہ دن آ گیا جب یوسف کی ماں کو تنخواہ ملنی تھی۔ اس نے صبح صبح ہی بیٹے کو بتایا کہ آج وہ اس کے لیے چھوٹے مالک کی طرح کار لے کر آئے گی۔ یوسف نے یہ سنا تو مارے خوشی سے اچھل پڑا۔

''دیکھ آج تو گھر پر ہی رہنا، مجھے جلدی سے مالکن کا کام نپٹا کر بازار جانا ہے، سامنے برتن میں چاول اور سبزی ڈھک رکھی ہے کھا لینا''...... ماں اپنا بوسیدہ سا جھولا اٹھاتے ہوئے دروازے سے نکل گئی۔

کار کے انتظار میں تو یوسف سے وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ جب اسے انتظار کے لمحے زیادہ مشکل لگنے لگے تو وہ چوکھٹ میں آ کر بیٹھ گیا۔ ادھر یوسف کی ماں اپنا کام ختم کر کے اپنی مالکن کے سامنے سر جھکائے تنخواہ کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد آخر مالکن نے اپنے پرس سے پانچ پانچ سو کے دو نوٹ نکال کر اس کے سامنے بڑھائے۔ وہ پیسے لے کر خوشی خوشی بازار کی طرف روانہ ہو گئی۔ بازار کی طرف بڑھتے اس کے قدموں میں تیزی تھی، وہ خوشی سے نہال ہوئی جا رہی تھی کہ آج وہ سارے مسائل کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کی خواہش پوری کرنے جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ جب یوسف اپنی نئی کار کو ہاتھ میں لے گا تو اسے کتنی خوشی ہوگی۔ یقیناً وہ کتنا خوش ہوگا، خوشی سے جھوم اٹھے گا۔ اپنے بیٹے کے خیالوں میں وہ اس طرح گم تھی کہ سامنے سے آتی گاڑی اسے دکھائی ہی نہ دی اور پھر دوسرے ہی لمحے گاڑی کی زوردار ٹکر سے وہ دور سڑک کے اس پار جا گری اور وہیں ڈھیر ہو گئی۔

ادھر معصوم یوسف ماں اور کار کے انتظار میں دروازے کی چوکھٹ سے لگ کر ہی سو گیا۔

□□□

Reshma Qamar
Railpar, Jahangiri Mohalla
Asansol-713302 (West Bengal)
Mobile No. 8670322884
reshma956347@gmail.com

ڈاکٹر احسان رؤف

جامن کی اہمیت و افادیت

جامن ایک مشہور عام پھل ہے۔ جامن کو ہندی میں پھلیندہ، بنگالی میں کالا جام کہتے ہیں۔ اس کا نباتی نام Eugenia jambolan Linn ہے اور اس کا تعلق Myrtaceae خاندان (Family) سے ہے۔ گرمیوں کے موسم میں جامن کا پھل لگتا ہے۔ اس کا مزاج سرد خشک بدرجہ دوم ہے۔ ایک سدابہار درخت کا پھل ہے جو بیر کے مساوی خام حالت میں سبز و کسیلا اور پختہ ہونے پر سیاہی مائل بیگنی، خوش ذائقہ شیریں اور کچھ کسیلا ہوتا ہے۔ جسامت کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں پہلی چھوٹی اور دوسری بڑی ہوتی ہے۔ اس کا درخت عام طور پر ہندوستان کے زیادہ تر علاقوں میں پایا جاتا ہے۔

افعال و استعمال

جامن کا مغز اور اس کی گٹھلی دونوں میں فوائد ہوتے ہیں۔ جامن بھوک کو بڑھاتا ہے، قابض اور مسکن حرارت ہے جامن کا سرکہ بنا کر بھی استعمال کرتے ہیں۔ جامن صفراوی دستوں کو روکتا ہے، گرم مزاجوں کے لیے مفید ہے۔ معدہ اور جگر کو طاقت دیتا ہے جوش خون اور صفرا کو سکون دیتا ہے، اس کا سرکہ طحال (تلی) کے ورم کو تحلیل کرتا ہے، اس کی گری قابض ہوتی ہے اس لیے اسہال اور ذیابیطس میں مفید ہے۔ پرانے اسہال کو روکنے کے لیے مغز خستہ جامن کھلاتے ہیں۔ جامن کے درخت کے پوست کا جوشاندہ اور منجن لثہ دامیہ (دانتوں سے خون آنے)، ورم لثہ (مسوڑھوں کے ورم) اور دانتوں کے ہلنے میں مفید ہے۔ جامن خفقان (گھبراہٹ) کو دفع کرتا ہے، اعضاء کے جلن میں مفید ہے۔ جامن کے کھانے سے پھوڑے پھنسی نکلنا بند ہوجاتے ہیں۔ شربت جامن قے اور متلی میں مفید ہے۔ جامن کے پتے اور کالی مرچ دونوں کو پانی میں پیس کر ایک مٹی کے گھڑے میں ڈال کر پانی بھر دیں اور سانپ کے کاٹے ہوئے کو اس وقت تک پلاتے رہیں کہ زہر بالکل اتر جائے۔ اس کے پیڑ کی چھال اور پتے پانی میں جوش کرکے اس سے بغل کو دھونے سے بدبو جاتی رہتی ہے۔ اس کے نرم اور تازہ پتے پانی میں جوش دے کر کلیاں کرنے سے نہایت خراب قسم کا قلاع (منہ کے چھالے) ٹھیک ہوجاتے ہیں۔ ایک تولہ جامن کے پتے پینے سے افیون (افیم) کا زہر اتر جاتا ہے۔

مضر و مصلح

جامن نفاخ (ریاح پیدا کرنے والا) اور دیر سے ہضم ہوتا ہے اور اس کی اصلاح اس طرح کرنی چاہیے کہ جامن کو دھو کر نمک چھڑک کر تھوڑی دیر رکھ دیں پھر کھائیں یا دو برتنوں میں رکھ کر ملائیں تاکہ غذا اس کے اجزاء میں مل جائے۔ سونٹھ بھی اس کا مصلح ہے جبکہ کچے پھل کا مصلح روغن بادام ہے۔

جامن کے دیگر طبی فوائد درج ذیل ہیں:

1۔ ہیموگلوبن کو بڑھاتا ہے

جامن میں وٹامن سی اور آئرن اچھی مقدار میں پائے جاتے ہیں

اس لیے خون کو بڑھاتا ہے اور جلد اور آنکھوں کی صحت کو بھی بہتر بناتا ہے

2۔انفیکشن کو روکتا ہے

جامن کے پھل میں انٹی بیکٹیریل ،اینٹی انفیکشن اور اینٹی ملیریا خصوصیات پائی جاتی ہیں۔اس کے پھل میں مالیک ایسڈ، گیلک ایسڈ، آکسالیک ایسڈ پائے جاتے ہیں۔اس طرح سے یہ تعدیہ کو روکتا ہے۔

3۔ذیابیطس میں مفید

جامن ذیابیطس میں فائدہ کرتا ہے اس کا گلائسیمک انڈیکس کم ہوتا ہے جو خون میں شکر کی سطح کو معمول پر رکھتا ہے، جو لوگ ذیابیطس میں مبتلا ہوتے ہیں وہ جامن کو محفوظ طریقے سے کھا سکتے ہیں ، کیونکہ اس میں کیلوریز بھی کم ہوتی ہیں۔جدید تحقیقات سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جامن ذیابیطس کے مریضوں میں مفید ہوتا ہے۔

4۔جلد کی صحت کے لیے مفید

جامن میں کسیلی خصوصیات زیادہ پائی جاتی ہیں جو جلد کو داغ ، دھبوں اور مہاسوں سے محفوظ رکھتا ہے۔اس کے علاوہ وٹامن سی کا مواد خون کو صاف کرنے میں مدد کرتا ہے جس سے جلد میں چمک پیدا ہوتی ہے۔

5۔دل کی صحت کے لیے مفید

جامن میں پوٹاشیم کی اچھی مقدار پائی جاتی ہے جو دل کے لیے انتہائی فائدہ مند ہے۔تقریباً 55 ملی گرام پوٹاشیم فی 100 گرام جامن میں موجود ہوتا ہے۔یہ پھل ہائی بلڈ پریشر اور فالج جیسے امراض سے محفوظ رکھتا ہے اور شریانوں کو بھی صحت مند رکھتا ہے اور اسے سخت ہونے سے روکتا ہے۔

6۔وزن کم کرنے میں مدد کرتا ہے

جامن میں کیلوریز کم پائی جاتی ہیں اور فائبر زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں ،اس لیے یہ وزن کو کم کرتا ہے۔جامن ہاضمہ کو بھی بہتر کرتا ہے اور جسم میں پانی کی کمی کو کم کرنے میں مدد کرتا ہے۔

7۔قوت مدافعت کو بڑھاتا ہے

جامن وٹامن سی ، معدنیات اور انٹی آکسیڈنٹ سے بھرپور ہے جو قوت مدافعت (بیماریوں سے لڑنے کی طاقت) کو مضبوط بنانے اور جسم کی صلاحیت کو بڑھانے میں مدد کرتا ہے۔

جامن میں انٹی بیکٹیریل خصوصیات پائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے دانتوں اور منہ کے تعدیہ (انفیکشن) ہونے کا خطرہ کم ہوتا ہے اس کے علاوہ جامن کو دانتوں اور مسوڑھوں کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔جامن کے پتے کسیلے ہوتے ہیں جو گلے کے مسائل کے لیے مفید ہوتے ہیں۔

8۔معدہ کے زخم میں مفید

جدید تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ جامن کے ایتھانولک عصارہ کو معدہ کے زخم(Gastric Ulcer) میں مفید پایا گیا ہے۔

حوالہ جات

1 حکیم احتشام الحق قریشی، علاج بذریعہ غذا، تیسری طباعت، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2016، صفحہ 176-174

2 حکیم مظفر حسین اعوان ، کتاب المفردات، طبع سوم ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1960، صفحہ 196-195

3 ڈاکٹر شگفتہ نکہت، ڈاکٹر جاوید احمد خان، مفردات عصری، ہدایت پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس، نئی دہلی، 2023، صفحہ 195-193

□□□

Dr. Ehsan Rauf

Medical officer (Unani)

476/6c Behind Madeh Ganj Police Chowki

Sitapur Road,

Lucknow 226020 (U.P)

Mobile 9984185526

E-mail: ehsanrauf.rauf@gmail.com

مراسلہ

خواتین دنیا جولائی کا شمارہ موصول ہوا۔ سب سے پہلا مضمون ثروت خان صاحبہ کا ہے اس میں پروفیسر آمنہ تحسین کی ناقدانہ صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا ہے۔ حیدرآباد دکن سے تعلق رکھنے والی ادیبہ آمنہ تحسین کا شمار ان لوگوں میں کیا جاتا ہے جو نسائی ادب میں قابل تعریف حد تک کام کر رہے ہیں۔ مجھے نسائی ادب پر نظر مرکوز رکھنے کی وجہ سے رسالہ خواتین دنیا بہت پسند ہے۔ اس شمارے میں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تبسم ہاشمی اور عظمت النساء کی تحریروں کو بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ اسنی سحر نے مضامین فرحت میں موضوعات کی قوس وقزح پر بات کی ہے مجھے بذات خود مضامین فرحت پسند ہیں ان کے مزاحیہ اصلاحی مضامین میں دلچسپی اور تجسس آخر تک برقرار رہتی ہے۔ سات جلدوں پر مشتمل ان کی تحریروں کو میں نے اپنی وش لسٹ میں شامل کیا ہوا ہے بہت مبارک باد۔

زیبا خان کی شاعری میں مجھے روشن مستقبل کی آہٹ سنائی دیتی ہے ان کی نظم پڑھ کر اچھا لگا۔ میں بہترین ترتیب کے لئے مدیران کو مبارکباد پیش کرتی ہوں کہ ان کی محنت ولگن کی بدولت اہم مضامین سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ اس شمارے میں شائع ہوا مضمون موٹاپا اور اس کے نقصانات معلوماتی تحریر ہے۔ بہت شکریہ۔

عزہ معین، ریسرچ اسکالر دہلی یونیورسٹی

پیرس اولمپکس میں انڈیا کا پہلا میڈل: شوٹر منو بھاکر نے کانسی تمغہ جیتا

وطن عزیز بھارت کی میریکل گرل منو بھاکر پیرس اولمپکس گیمز میں اپنی تاریخی ہیٹ ٹرک بھلے ہی مکمل نہیں کر سکیں مگر اولمپکس میں پہلے ہی تاریخ رقم کر چکی ہیں۔ منو بھاکر 25 میٹر پسٹل مقابلے میں ایک معمولی سی چوک کی وجہ سے چوتھے نمبر پر رہ گئیں۔ حالانکہ اس سے قبل وہ 10 میٹر ایئر پسٹل ایونٹ اور مکسڈ 10 میٹر ایئر پسٹل ٹیم ایونٹ میں کانسے کے دو تمغے جیت کر اولمپکس میں دو تمغے جیتنے والی پہلی بھارتی شوٹر بن چکی تھیں۔

منو بھاکر نے اتوار 28 جولائی کو ان تمغوں کا کھاتہ بھی کھول دیا تھا، جب انہوں نے 10 میٹر ایئر پسٹل مقابلے میں کانسے کا تمغہ جیتا تھا۔ پہلا تمغہ جیتنے کے صرف دو دن بعد منگل 30 جولائی کو منو بھاکر نے اپنا دوسرا تمغہ جیت کر تاریخ رقم کی۔

منو بھاکر نے سال 2021 میں ''بی بی سی ایمرجنگ پلیئر آف دی ایئر 2020'' کا ایوارڈ جیتا تھا۔

قابل ذکر ہے کہ ابھرتی ہوئی خواتین کھلاڑیوں کو ''بی بی سی انڈین سپورٹس وومن آف دی ایئر'' کے تحت ''بی بی سی ایمرجنگ پلیئر آف دی ایئر 2020'' ایوارڈ کیٹیگری میں اعزاز دیا جاتا ہے۔ ''بی بی سی انڈین سپورٹس وومن آف دی ایئر'' کا مقصد بھارتی خواتین کھلاڑیوں اور ان کی کامیابیوں کو عزت دینا، خواتین کھلاڑیوں کے چیلنجز پر بات کرنا اور ان کی سنی سنائی ہوئی کہانیوں کو دنیا کے سامنے لانا ہے۔ ظاہر ہے ''بی بی سی کے انڈین اسپورٹس وومن آف دی ایئر'' پروگرام میں منو بھاکر نے اس اعزاز کو اپنے ارادے سے جوڑ کر آگے کا سفر شروع کیا تھا۔

واضح ہو کہ 16 سال کی عمر میں، منو بھاکر دولت مشترکہ کھیلوں میں سونے کا تمغہ جیتنے والی سب سے کم عمر ہندوستانی کھلاڑی بن گئی تھیں۔ سال 2018 میں انھوں نے گولڈ کوسٹ گیمز میں 10 میٹر ایئر پسٹل مقابلے میں گولڈ میڈل جیتا تھا۔ نوعمر شوٹنگ اسٹار کے طور پر، ہریانہ سے تعلق رکھنے والی اس شوٹر نے 2020 کے ٹوکیو اولمپکس (جو کووڈ کی وجہ سے 2021 میں منعقد ہوئے تھے) سے پہلے ورلڈ کپ گیمز میں نو سونے اور دو چاندی کے تمغے جیتے تھے۔ ورلڈ کپ میں ان کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے، منو بھاکر کو ٹوکیو اولمپکس میں تمغے کی مضبوط دعویدار سمجھا جاتا تھا، لیکن وہ اپنے پسندیدہ 10 میٹر ایئر پسٹل سنگلز مقابلے میں توقعات پر پورا نہیں اتر سکیں۔ وہ مکسڈ ٹیم مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھیں اور 25 میٹر پسٹل مقابلے کے فائنل میں بھی نہیں پہنچ سکی تھیں۔ منو اولمپکس کے بعد مشکل مرحلے سے گزری تھیں اور انھیں ٹوکیو گیمز میں مایوس کن کارکردگی پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے قومی اسکواڈ میں بھی اپنا مقام گنوا دیا۔ اپنے موجودہ کھیل کے کیریئر میں اتار چڑھاؤ کے بارے میں اپنے تجربات کا اظہار کرتے ہوئے، منو نے کہا تھا، ''جب آپ تنزلی کے مرحلے میں ہوتے ہیں، تو ایک ہی چیز باقی رہ جاتی ہے کہ کبھی ہار نہ مانیں اور بڑی کامیابی حاصل کرنے کے لیے سخت محنت کرتے رہیں۔'' پچھلے سال بھی منو نے کہا تھا، ''مجھے ٹوکیو میں جو کچھ ہوا اس سے باہر نکلنے میں مجھے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ میں ضرور واپسی کروں گا، میں پھر سے کھڑی ہو جاؤں گی۔'' واقعی منو بھاکر نے پیرس اولمپکس گیمز میں دنیا کے سامنے خود کو مضبوطی کے ساتھ کھڑا کر کے دکھلا دیا اور ایسا دکھلایا کہ پورا بھارت خوشی سے جھوم اٹھا۔ انھوں نے اپنے ملک بھارت کے لیے یکے با دیگرے دو تمغے جیت کر اولمپک شوٹنگ میں، بھارت میں پڑے 12 سالہ قحط کو ختم کر دیا۔ انھوں نے 28 جولائی کو جب پہلا تمغہ جیتا تھا تو صدر جمہوریہ دروپدی مرمو اور پی ایم نریندر مودی سمیت ملک کے دوسرے کئی لیڈروں نے منو بھاکر کو دل سے مبارک دی تھی۔ پی ایم مودی نے اپنی پوسٹ میں لکھا تھا، ''پیرس اولمپکس میں بھارت کے لیے پہلا تمغہ جیتنے کے لیے منو بھاکر کو مبارکباد۔ مبارکباد کانسے کا طمغہ جیتنے کے لئے۔ یہ کامیابی اور بھی خاص ہے کیونکہ یہ بھارت کے لیے پہلا تمغہ ہے۔'' اس کے بعد منو بھاکر نے 30 جولائی کو سربجوت سنگھ کے ساتھ مل کر مکسڈ ٹیم ایونٹ میں کانسے کا ایک اور تمغہ جیت لیا۔ پھر پورے ملک میں واہ واہی تو ہونی ہی تھی۔ اولمپکس گیمز میں دو تمغے جیت کر تاریخ رقم کرنے والی اپنی لاڈلی منو بھاکر پر آج پورے ملک کو ناز ہے۔

(تاثیر 3 اگست 2024، ایس۔ایم۔حسن)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

دکنی ہندو اور اردو

مصنف: نصیرالدین ہاشمی

تیسری اشاعت: 2023

صفحات: 266

قیمت: 170 روپے

کلیاتِ فراق (جلد سوم)

ترتیب وتدوین: کالی داس گپتا رضا

پہلی اشاعت: 2023

صفحات: 399

قیمت: 235 روپے

املا نامہ

مرتب: گوپی چند نارنگ

چوتھی اشاعت: 2023

صفحات: 97

قیمت: 80 روپے

جدید ہندوستان میں ذات پات اور دوسرے مضامین

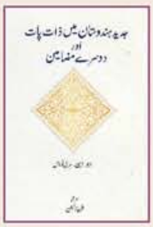

مصنف: ایم این سری نواس

مترجم: شہباز حسین

دوسری اشاعت: 2023

صفحات: 180، قیمت: 125 روپے

قدیم لکھنؤ کی آخری بہار

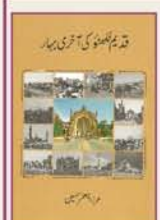

مصنف: مرزا جعفر حسین

دوسری طباعت: 2023

صفحات: 671

قیمت: 355 روپے

حالی کا سیاسی شعور

مصنف: معین احسن جذبی

مرتب: سہیل احسن جذبی

دوسری طباعت: 2023

صفحات: 164، قیمت: 215 روپے

حالی کی غزلیں اور قطعات

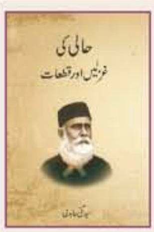

مرتب: سید تقی عابدی

پہلی اشاعت: 2023

صفحات: 66+185

قیمت: 150 روپے

نوم چامسکی

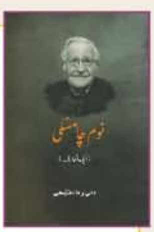

مصنف: علی رفاد فتیحی

پہلی اشاعت: 2023

صفحات: 54

قیمت: 70 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail: books@ncpul.in

माहनामा ख्वातीन दुनिया मासिक, अगस्त –२०२४ वर्ष: ८, अंक: ८
Mahnama Khawateen Duniya Monthly August 2024 ,Vol. 8, Issue: 8
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI. No. DELURD/2017/74026
DL (S)-17/3555/2024-26
ISSN 2581-4826
Date of Publication: 13-08-2024
Date of Dispatch : 14 and 15 of every month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md. Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S.Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II. New Delhi-110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan FC-33/9 Institutional Area Jasola New Delhi-110025